ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور
جولائی 2010ء - شعبان المعظم 1431ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

WWW.NAFSEISLAM.COM

سلام اے آمنہ کے لعل ﷺ

سلام اے آمنہ کے لعل اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی
سلام اے ظل رحمانی ، سلام اے نور یزدانی
تیرا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی
ترے آنے سے رونق آ گئی گلزار ہستی میں
شریک حال قسمت ہو گیا پھر فضل ربانی
اگرچہ فقر و فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرکسرائی و خاقانی
زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی
زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرے کو تابانی
حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے دامن دولت
عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی
ترا در ہو مرا سر ہو دل ہو ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی
سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

حفیظ جالندھری

WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اتنا بے درد کیوں ہے انساں؟

سانحہ دربار داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ہر دل کو افسردہ اور ہر آنکھ کو اشکبار کر دیا ہے۔ میرے داتا کا وہ دربار جہاں سے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی کسبِ فیض کریں، جہاں بابا فرید الدین گنج شکر ننگے پاؤں چل کر آئیں، جہاں صوفیاء کو صفا کی دولت حاصل ہو، جہاں اذکیاء کو نورِ تزکیہ سے مشرف کیا جائے، جہاں صراط مستقیم کے مسافروں کو راہنما ملے۔ وہ دربار جہاں سے ہزاروں لوگ بیک وقت روحانی اور جسمانی غذائیں حاصل کریں۔ صرف انسان ہی نہیں جانور بھی اپنا مقدر حاصل کرتے ہیں۔ بقول خواجہ خواجگان:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

ظالموں نے ایسی روحانی آماجگاہ کو بھی خاک وخون میں نہلا دیا۔ اس رشکِ آفتاب و ماہتاب خطۂ زمیں کو ویران کرنے کی کوشش کی جہاں سے مروہ دل بھی جلا پاتے ہیں، لیکن انہیں خبر نہیں کہ نہ تو داتا کے دربار کی رونقیں کم ہوئیں اور نہ ہی داتا کے دیوانے خوفزدہ ہوئے ہیں، اس لئے کہ خوفزدہ تو وہ ہو جو موت سے ڈرتا ہو اور خوفزدہ تو وہ ہو جو موت کو انقطاع زندگی سمجھتا ہو۔

ہمیں تو موت سے عشق ہے اس لئے کہ یہی تو وہ راستہ ہے جس کے ذریعے محبوبِ دو عالم کے قدموں تک رسائی حاصل ہوگی۔ یہ موت تو ایسا پل ہے جو ابدی زندگی سے ہمکنار کرے گا۔ اس لئے دہشت گرد مذموم مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ حکمرانوں کے حساب و کتاب میں سختی در سختی آئے گی۔

اس سانحہ میں شہید ہونے والوں کے خون کا ایک ایک قطرہ کیا حکمرانوں کے گریبان نہیں پکڑے گا؟

کیا روزِ محشر کرسی وزارت پر براجمان ہونے والوں کو جوابدہ نہیں ہونا پڑے گا؟

اس لئے ہماری دعوت یہی ہے کہ اپنے دشمن کو پہچانا جائے۔ ایسے واقعات میں مغربی استعمار، اسرائیل اور بھارت کے ملوث ہونے میں شک نہیں لیکن یہ بھی تو سوچئے کہ استعمال تو مسلمان ہی ہو رہے ہیں۔ خودکش حملے عملی طور پر دعویٰ مسلمانی کرنے والے ہی کر رہے ہیں۔ اب تو ہمیں من حیث القوم سوچنا چاہئے کہ ان ''ٹین ایجرز'' لڑکوں کی برین واشنگ کون کر رہا ہے؟

کون انہیں ''جنت'' کا لالچ دے کر ظلم پر آمادہ کر رہا ہے

کون انہیں ''حوروں'' کی حرص دے کر راہِ راست سے بھٹکا رہا ہے

یقیناً یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہو رہا ہے۔

کیا اب بھی حکومت کو علم نہ ہو سکا کہ دہشت گردی میں کون ملوث ہے

اور اسلام کے نام پر کون لوگ دھبہ بن رہے ہیں؟

مگر افسوس صد افسوس کہ یہی حکمران ایک طرف دہشتگردی دور کرنے کے دعویدار ہیں اور دوسری جانب فرقہ وارانہ تنظیموں کو مالی امداد مہیا کر رہے ہیں۔ ایک کالعدم تنظیم (جماعۃ الدعوہ) کو پنجاب حکومت کی طرف سے 10۔ کروڑ کی مالی امداد کس ضمن میں دی جا رہی ہے؟

کیا یہ دہشت گردی دور کرنے کے انتظامات ہیں یا دہشت گرد پیدا کرنے کے انتظامات؟

سنی اتحاد کونسل کے وزیر اعلیٰ پنجاب سے ملاقات کے دوران علماء کی جانب سے ایک وزیر کی برطرفی کا مطالبہ حق ہے۔ ہم اس مطالبہ کی حمایت کرتے ہیں۔ فرقہ واریت اور دہشت گردی اسی وقت دور ہو سکتی ہے جب دہشت گرد اور فرقہ واریت پر مبنی جماعتوں کو ختم کیا جائے گا اور دہشت گرد کے حمایتوں کو حکومت سے نکالا جائے گا۔ خاردار جھاڑیاں اگا کر راستوں کو صاف کرنے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دہشت گرد تنظیموں کی پشت پناہی چھوڑی جائے اور ملک میں امن و امان کے لئے عملی کوششیں کی جائیں۔

ڈاکٹر منظور حسین اختر

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ انفطار کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ
انۡتَثَرَتۡ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ﴿۳﴾ وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ
بُعۡثِرَتۡ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ؕ﴿۵﴾
یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ ۙ﴿۶﴾
الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ ۙ﴿۷﴾ فِیۡۤ اَیِّ
صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴿۸﴾ کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ
بِالدِّیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ کِرَامًا
کَاتِبِیۡنَ ۙ﴿۱۱﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ
لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ۚ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ۚ﴿۱۴﴾
یَّصۡلَوۡنَهَا یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۱۵﴾ وَ مَا هُمۡ عَنۡهَا
بِغَآئِبِیۡنَ ؕ﴿۱۶﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ۙ﴿۱۷﴾
ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ؕ﴿۱۸﴾ یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ
نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا ؕ وَ الۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور ستارے بکھر جائے گے۔ اور جب سمندروں میں خوفناک شگاف پڑ جائیں گے۔ اور جب قبروں کو کھول دیا جائے گا۔ ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو اس نے پیچھے چھوڑا۔ اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے مغرور بنا دیا ہے۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر تجھے حسن اعتدال بخشا۔ جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔ حقیقت ہے بلکہ تم قیامت کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں، معزز لکھنے والے، جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ بے شک نیکیوں والے آرام و راحت میں ہوں گے، اور بے چک بدکار بھڑکتی آگ میں ہوں گے۔ قیامت کے دن اس میں داخل ہوں گے اور وہ اس سے غائب نہ ہو سکے گے۔ اور تم تخمینے سے کیا جانو کہ قیامت کا دن کیا ہے، پھر تم تخمینے سے کیا جانو کہ قیامت کا دن کیسا ہے۔ وہ دن جب کوئی جان کسی جان کے لئے کسی چیز کی مالک نہ ہوگی اور حکم اس دن اللہ ہی کے لئے ہوگا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

آئینہ قیامت جس میں آخرت کی تصویر حروف میں اتار کر صاحبِ نگاہ رسول کے صحیفۂ دل پر کی زندگی میں نازل ہوا۔اس کا ایک رکوع اور انیس آیات ہیں، نام "سورۂ انفطار" ہے۔

اکابر مفسرین نے سورت کا نام "سورۂ الانفطار"، نقل کیا ہے جبکہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح کے اندر کتاب التفسیر میں سورت کا نام "اذا السماء انفطرت" روایت کیا ہے البتہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بھی الاتقان میں اس سورت کا تذکرہ کیا انفطار نام ہی تذکرہ کیا ہے۔ابن عاشور نے سورت کا ایک نام "منفطرہ" بھی لکھا اور سورہ "انفطرت" بھی نقل کیا۔یہ سورت انشقاق سے پہلے اور سورہ "نازعات" کے بعد نازل ہوئی۔

انیس آیات پر مشتمل یہ سورت تکوینی امور کو بیان کر کے عقائد کو مستحکم کرتی ہے۔جہانِ رنگ و بو میں موجود ہر حرکت اور ہر انقلاب سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد، وثوق، بھروسہ اور یقین کا درس اس سورت کا طرۂ امتیاز ہے۔سورت میں نظری گرفت کے ساتھ ساتھ عملی وعیدیں اور انذار سورت کا عمود ہے۔

سورہ انفطار آسمان کے پھٹ جانے کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔ستاروں کے دیئے اور شمعیں مدھم ہونے کا بیان، بعد الموت بعثت کے اعتقادی نظام کو مستحکم کرتا ہے۔انسان کے نازک اور لطیف احساسات کے سمعی، بصری اور فکری پردوں پر چوٹ کے ساتھ سورہ انفطار اعمال کو بے نقاب اور بے حجاب کر کے یہ سوچ پیدا کرتی ہے کہ انسان اپنے ہوئے کئے کو جان لے گا۔

سورہ کی دعوت کڑی ہو جاتی ہے اور انفطار کا دروبست جلالت مآب ہو جاتا ہے۔انسان سے پوچھا جاتا ہے تجھے رب کے معاملے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔رب کی نعمتیں دیکھ! تجھے پیدا کیا، برابر کیا، متوازن کیا اور حسن کے سانچے میں احسن تصویر سے نوازا اور ترکیب میں حیرت کے جلوے سمو دیئے۔اس کے بعد انسان کی فریب خوردگی اس کے سامنے رکھ دی گئی کہ تم روز جزا ہی کو جھٹلانے لگ گئے۔

سورۂ انفطار اس کے بعد چونکا دینے والے غیر مرئی لیکن مضبوط اور حیران کن حفاظتی نظام کا ذکر کرتی ہے کہ تم پر بزرگ لکھنے والے نگران ہیں جو تمہارے افعال کا حال جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ایک فیصلہ شدہ انجام کی اطلاع دی جاتی ہے کہ نیکی کی صفت رکھنے والے نعمتوں میں ہوں گے اور فسق و فجور میں مبتلا لوگ جہنم میں ہوں گے۔

انفطار کے آخر میں روز جزا کی حقیقت اظہر من الشمس کر دی گئی اس دن معاملات کی رسی کلیۃً اللہ کے ہاتھ میں ہوگی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے لئے کسی چیز کا مالک نہ ہوگا اور ہر امر اس دن اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾

''جب آسمان پھٹ جائے گا''۔

آسمان کا پھٹ جانا قیامت کے شدید دن کی ایک آشکار اور تسلیم شدہ حقیقت ہے۔یہ کیسے پھٹے گا؟ اس کی کھال کیسے اترے گی؟ یہ کیسے برہنہ ہو جائے گا؟ بادلوں کے اوپر اس کے گرنے کا منظر کیسا ہوگا؟ یہ ساری حقیقتیں قرآن حکیم نے بیان فرمائی ہیں بلکہ اس راز کو بھی کھولا ہے۔آسمان پھٹ کر قیامت کے دن کھوکھلا ہو جائے گا۔آسمان شق ہو جائے گا (1)۔سید قطب نے بہت خوبصورت لکھا کہ وہ نظام جو ہمارے سامنے ہے وہ ختم ہو کر رہ جائے گا، اس نظام کو تھامنے والا دھاگا ٹوٹ جائے گا اور آسمان کا سارا نظام تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر کر فنا ہو جائے گا (2)۔

سورہ رحمٰن اس حقیقت کو اپنے تابناک لفظوں کے ساتھ مزید کھولتی ہے اور جب آسمان پھٹ پڑے گا اور تیل کی تلچھٹ کی مانند ہو جائے گا (3)۔

آسمان کا پھٹنا محض ایک اطلاع تو نہیں۔قرآن حکیم انسان کو اس بیان کے ساتھ شعور اور ایمان کی روشنی دیتا ہے، یہ دنیا جب فنا ہو جائے گی ایک اور عالم ابدی قائم ہوگا۔انسان اس عالم میں چند روزہ مسافر ہے اسے اگلی ابدی زندگی خیریت اور عافیت سے گزارنے کی تیاری کرنی چاہئے۔عبدالحق دہلوی نے اچھا لکھا کہ جب اللہ نے تعمیر دنیا کی بات کی تو زمین کی تخلیق پہلے بیان فرمائی اور کہا کہ رب نے اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ کی اس لئے کہ بناتے ہوئے بنیاد پہلے بناتے ہیں اور گراتے ہوئے چھت پہلے گراتے ہیں۔انہدام عالم کا کام پہلے آسمان سے شروع ہوگا (4)۔

وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾

''اور ستارے بکھر جائے گے''۔

عالم بالا میں نظام تکوین کا دھاگا ٹوٹ پھوٹ کا شکا ہو جائے گا۔ فلکی کہکشائیں درہم برہم ہو جائیں گی۔ بزم کواکب انتشار اور انتشار کا لقمہ بن جائے گی۔ ستارے پراگندہ ہو جائیں گے۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ ستارے گر جائیں گے (5) اور ان کے سقوط سے مزید تباہی پھیلے گی۔ شاید یہ ساری تخریب، انہدام، تزلزل اور انتشار کسی نئے تخلیقی مقدمے کا حصہ ہوگا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تکوینی حادثے فطری اعتدال اور توازن کے درہم برہم ہونے کی وجہ سے ہوں گے۔ آسمان اور زمین کو تبدیل کر کے رکھ دیا جائے گا جیسے کہ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:

یو م تبد ل الا رض غیر الا رض والسموت

''وہ دن جب زمین کو غیر زمین سے بدل دیا جائے گا''۔ (ابراہیم:48)

کواکب کوکب کی جمع ہے اس لفظ کا حقیقی معنیٰ آسمانی ستارہ ہی ہے لیکن عربی زبان میں اس کے مجازی اطلاعات کثیر ہیں۔ بلند گھاس، لوہے کی چمک، درختوں کے شگوفے، تلوار، پانی، رئیس جماعت اور خوبصورت نوجوان۔

آیت کا سیاق اور سباق انسان کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اس دنیوی زندگی کو جاوداں تصور نہ کرے بلکہ آنے والے جہاں کی وسعتوں کا ادراک کرنے کی کوشش کرے اور یہاں اپنے آپ کو انکار، جحود اور بدعملی کی آلودگیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔

وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝

''اور جب سمندروں میں خوفناک شگاف پڑ جائیں گے''۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے سمندروں کی تفجیر کی تین صورتیں لکھی ہیں: (6)۔

دنیا بھر کے جتنے سمندر اور دریا ہیں اس وقت ان کے درمیان خشکی کی صورت میں آڑیں موجود ہیں۔ قیامت جب بپا ہوگی، زلزلوں کی کثرت سے یہ خشکی کے پردے اور روکیں ختم ہو جائیں گی اور پانی پوری خشکی کو گھیرے گا گویا دنیا ایک وسیع سمندر کی لپیٹ میں آجائے گی۔

دوسری صورت رازی نے یہ لکھی کہ اس وقت پانی سمندروں میں مجتمع ہے قیامت سے قریب سمندر پھٹ پڑیں گے اور سمندروں کا پانی پوری زمین پر پھیل جائے گا۔

تیسری صورت رازی نے بقول حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نقل کی ہے کہ سمندروں اور دریاؤں کا پانی خشک ہو جائے گا۔

ممکن ہے قرآن حکیم نے جو تسجیر اور تفجیر دو کیفیتیں نقل کی ہیں ان میں کسی بڑے حادثے کی وجہ سے پانی کے دو اجزا آکسیجن اور ہائیڈروجن آگ میں تبدیل ہو جائیں اور آتشی شعلے کہیں آگ بن کر پھیل جائیں اور کہیں پانی کے طوفان کی صورت میں تباہی مچا دیں قرآن حکیم نے تسجیر اور تفجیر دونوں کی بات کی ہے (7)۔ واللہ اعلم۔

یہ بات ابو منصور ماتریدی نے بھی اپنی تفسیری میں نقل کی ہے (8)۔

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝

''اور جب قبروں کو کھول دیا جائے گا''۔

علامہ راغب اصفہانی المفردات کے اندر لکھتے ہیں (8)۔

''میں اس کو بعید نہیں سمجھتا کہ ''بعثرت'' دو لفظوں کا مجموعہ ہو ایک ''بعث'' اور دوسرا ''اثرت'' اس لئے کہ دونوں لفظوں کی معنویت ''بعثرت'' میں دکھائی دیتی ہے'' (9)۔

راغب کی رائے کے برعکس اگر ''بعثرت'' کو مستقل مادہ سے ماخوذ تسلیم کیا جائے تو بھی کھنگال دینا، زیروزبر کر دینا، کرید نا اور کسی چیز کا ایک جگہ سے ہٹانا اور دوسری جگہ ڈال دینا سبھی مفہومات اس میں شامل رہتے ہیں (10)۔

سورہ توبہ کا ایک نام ''مبعثرہ'' ہے، اس لئے کہ یہ سورت منافقین کے سربستہ رازوں کو کھول دینے والی ہے (11)۔

قرآن مجید کی کچھ دوسری آیات انہی مفہومات کو دوسرے اسالیب میں کھولتی ہیں مثلاً سورۂ نازعات میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

فا نما ھی زجرۃ واحدہ فا ذا ھم با لسا ھرہ (12)

''پھر تو یہ ایک ہی بار ہیبت طاری کر دینے والی لرزش ہوگی تو یکا یک وہ ایک میدان میں ہوں گے''۔

سورہ زلزال قبور کے زیروزبر ہونے کو اس پیرائہ میں بیان کرتی ہے:

واخرجت الا رض اثقا لھا (13)

WWW.NAFSEISLAM.COM

''اور زمین اپنے بوجھوں کو باہر نکال پھینکے گی''۔

قبروں کا کھلنا یا تو ان حادثوں کی وجہ سے ہوگا جن کا ذکر اس سے پہلے سورۂ نازعات اور سورۂ تکویر میں ہوا یا یہ ایک مستقل حادثہ ہوگا جو اس طویل دن میں پیش آئے گا۔ اجسام قبروں سے باہر نکل آئیں گے، بوسیدہ اور پائمال ذرات کی پھر تجمیع ہوگی۔ پرانے قالب پھر اذن الٰہی سے جدید ہو جائیں گے۔ ان میں زندگی کا تموج اسی طرح ظاہر ہو جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار زندگی میں آشکار کیا تھا۔

قرآن مجید کی زیرِ مطالعہ آیت اور دوسری تعبیرات یہ بتاتی ہیں کہ مردوں کا دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے نکلنا انتہائی تیزی سے وقوع پذیر ہوگا یہ عمل اتنا ناگہانی اور تیزی سے ہوگا کہ ابو منصور ماتریدی لکھتے ہیں گویا قبروں نے جیسے زندہ وجود چھپائے ہوئے تھے جنہیں فوراً باہر پھینک دیا(14)۔

زمین کا مردوں کا باہر پھینک دینا اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ سر محشر کوئی وجود ایسے نہیں کہ گم ہو جائے۔ زمین میں دبا رہ جائے جو بنایا گیا ہے اس کا حساب لیا جائے گا جو راز میں ہے وہ آشکار ہو جائے گا۔

قرآن مجید نے ایک اور مقام پر بھی اسی کیفیت کی منظر کشی کی ہے:

ونفخ فی الصو ر فا ذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون (51)

''اور صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لئے دوڑتے ہوئے جائیں گے''۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝

''ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو اس نے پیچھے چھوڑا''۔

یہ آیت تین امور قاریٔ قرآن کے سامنے لاتی ہے:

ہر نفس اور ہر جان اپنے بھلے برے کاموں کو جان لے گی، اعمال وافعال کی دو صورتیں ہیں:

ایک وہ جو انسان نے دنیا میں اختیار کئے ہوتے ہیں انہیں ''ما قدمت'' کی صورت میں بیان کیا اور دوسرے وہ جو دنیا سے رخصت ہونے کے بعد پیچھے چھوڑ آیا اور دوسرے لوگ ان اعمال کے اثرات پر قائم رہے رازی نے یہی لکھا ہے(16)۔

قتادہ کے نزدیک ''ما قدمت'' سے مراد برائیاں ہیں جو کسی نفس نے کمائی ہوں اور ''واخرت'' سے مراد وہ نیکیاں ہیں جنہیں پیچھے چھوڑ دیا گیا ہو(17)۔

تیسری توجیہہ یہ کی گئی کہ اول عمر کے اعمال ''ما قدمت'' ہیں اور آخرِ عمر کے اعمال ''واخرت'' ہیں(18)۔

بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اعمال وہ ہوتے ہیں جن کا اثر اپنی ذات تک رہتا ہے اور کچھ اعمال وہ ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کے دلوں میں عمل کی تحریک اور تاثیر پیدا کر دیتے ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین زیرِ نظر آیت کا مصداق دونوں قسم کے اعمال سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ناگاہ کچھ لوگ مسجد میں داخل ہوئے۔ تلواریں حمائل کئے ہوئے تھے لیکن بدنوں پر ایک ایک چادر تھی۔ انہوں نے سلام کیا آپ ﷺ نے قبیلہ مضر کے ان لوگوں کے سلام کا جواب دیا لیکن ان کے فقر اور افلاس کو دیکھ کر آپ رنجیدہ ہو گئے جس سے چہرۂ انور کی رنگت بدل گئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور فکر آخرت پر مشتمل وعظ ارشاد فرمایا اور صدقہ کرنے کی تحریص دلائی۔ ایک انصاری نوجوان اٹھا اور گھر سے اشرفیوں بھری تھیلی اٹھا لایا اور حضور انور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ نوجوان کے اس عمل کو دیکھ کر باقی لوگ بھی دوڑ پڑے اور جسے جو ملا اٹھایا اور رحمت عالم ﷺ کے قدموں میں ڈھیر لگا دیا۔ آپ ﷺ کا روئے دوخندہ سہلا اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ چھوڑا اس کا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا اور جس نے کوئی بری رسم یا گناہ کا طریقہ جاری کیا تو جب تک لوگ اس برے کام میں پڑے رہیں گے اس کا گناہ اس شخص کے لئے لکھا جاتا رہے گا''۔

ایک موقع پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی یہ حدیث سنائی اور پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی(19)۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ

قرآن مجید نے دوسرے مقام پر تنبیہہ اعمال کی تصویر کشی یوں بھی فرمائی ہے:

ینبا الا نسان یومئذ بما قدم وا خر (20)

''اس دن انسان کو اگلا پچھلا سب کچھ بتا دیا جائے گا''۔

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝٦

''اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے مغرور بنا دیا ہے''۔

اے انسان!

تجھے کس چیز نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا

اور وہ بھی اپنے کریم رب کے بارے میں

انسان سے مراد وہی مکذبین قیامت ہیں جنھوں نے وقوع قیامت کو جھٹلایا۔

قرآن نے غرور اور دھوکہ کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں نقل فرمائیں: ایک اس کی ربوبیت اور دوسرا اس کا کرم

جو رب ہے۔

وہ دیتا بھی ہے

پالتا ہے اور نشو و نما کے لئے ہر نعمت کا دستر خوان بچھاتا ہے

اور وہ کریم ہے۔

اور اس کی شان عطا کرنا ہے، کرم کرنا ہے، نوازنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ان دو صفات کا تقاضا تو یہ تھا کہ بندہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا اور اس کی کریمی اور لطف و کرم کی قدر کرتا۔

وہ شخص جو اس کی کریمی اور درگزر کو دیکھ کر شوخا اور ڈھیٹ بنتا ہے یعنی اللہ نے درگذر جو کر رکھا ہے دراصل یہ شیطانی دھوکے ہیں۔ مقاتل نے یہی لکھا کہ اللہ نے بندے کو فوری سزا نہ دی اور یہ مکذب فریب میں پڑ گیا۔ سدی نے لکھا کہ اللہ نے لطف و مہربانی کی اور عصیاں شعار بندے کے نفس نے اس مہربانی کی آڑ میں اسے دھوکے میں ڈال دیا (21)۔

یحیی بن معاذ کا قول ہے کہ

''اللہ نے اگر مجھے سامنے کھڑا کر کے پوچھا تجھے میرے متعلق کسی چیز نے فریب میں مبتلا کر دیا اور مجھ پر تجھے کسی چیز نے جرأت دلائی تو میں عرض کروں گا الٰہی تیرے گذشتہ اور حالیہ کرم نے مجھے دھوکہ میں ڈال دیا'' (22)۔

حضرت ابوبکر وراق فرمایا کرتے تھے کہ

''اللہ نے اگر مجھے کہا اپنے کریم رب کے بارے میں تجھے کس چیز نے غرور میں مبتلا کر دیا''۔

عرض کروں گا

عرنی کرم الکریم

کریم کے کرم نے مجھے غرور میں ڈال دیا (23)۔

عطا ابن ابی رباح اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''تجھے کس چیز نے خدا سے کاٹ دیا اور یوں نفس کے حال میں پھنسا دیا'' (24)۔

اجلہ صوفیہ کی نرم اور گداز باتیں عمل ساز اور خود آفرین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کبیر و اکبر پر عقیدہ سازی کرتی ہیں لیکن آیت کا ایک دوسرا تفسیری مفہوم بھی قاریٔ قرآن کے پیش نظر رہنا چاہئے کہ آیت غرور کے ارتقا کے لئے نہیں بلکہ غرور کے انتفا کے لئے ہے۔ عاقبت سلامتی اسی میں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی شان و قدرت پر یقین رکھے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے کرم کا سپاس گزار ہو۔ دل میں جذبہ شکر پیدا کرے۔ یہی راہ بارگاہ ربوبیت سے فیض کو دوگنا اور چوگنا کر دے گی اور کریم کا کرم مشکل ساعتوں میں دستگیر ہو جائے گا۔ بات تو ایمان کی ہے مغرور شخص تو وسائل حقہ کی برق رفتار سواریوں کے قدم خود زخمی کر دیتا ہے منزل کیسے اس کا استقبال کر سکتی ہے۔ نفس کے پندار اور غرور کو توڑنا ہی فیضان کے چمنستانوں کو بہار بداماں کر دیتا ہے۔

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝٧

''جس نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر تجھے حسن اعتدال بخشا''۔

آیت گنجینہ فکر ہے اور انسانی حواس کے دریچے کھول دینے والا اسلوب رکھتی ہے۔ اس سے پہلے غافل انسان کو تنبیہ کی گئی تھی اور اس کے یقین کے دروازے کھول کر ربوبیت اور کرم کا نظام سمجھایا گیا تھا۔ اب انعامات الٰہیہ کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ اسلوب اتنا حسین ہے کہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

لگتا ہے انسان کو ایسا آئینہ میسر آ گیا ہے جس میں اسے اپنے ماضی اور حال کی تصویر دکھائی دینے لگ گئی ہے۔ نعمتوں کے بیان کے ساتھ دھیرا دھیرا عتاب بھی اتر رہا ہے اور لفظوں میں مستور فہمائش بھی موجود ہے۔ ترتیب کلام کا حسن دیکھئے کہ اللہ محمود بندے سے گویا باتیں کر رہا ہے کہ تجھے معلوم ہے کہ جس ہستی کے سامنے تو مغرور بنا ہوا ہے وہ تیرا پروردگار ہے اور تیری زندگی کے اندر جتنے کرم کے سلسلے ہیں سب اسی کریم کے ہیں۔ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ تیری باطنی اور ظاہری آرائش میں توازن کا نور اسی نے رکھا ہے اور حسن تقدیر سے نوازا ہے۔

آیہ بینہ کے اندر انسانی پیدائش کے تین مرحلے بیان ہوئے ہیں اور ہر ایک کے اندر تعقل اور تفکر کی دعوت ہے تا کہ انسان پر حقیقت شناسی کا جوہر کھلے۔ سب سے پہلی حقیقت جو انسان کو جاننی چاہئے وہ تخلیق ہے۔ تخلیق پر غور و فکر کے لئے کائنات کا وسیع صفحہ موجود ہے لیکن انسان کو اس کی اپنی تخلیق میں غور و فکر کی دعوت دی گئی۔

قرآن حکیم نے اس نکتہ کو ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا ہے:

من ای شئی خلقہ ،من نطفۃ خلقہ وقدرہ ۔ ثم السبیل یسرہ (عبس 20-18)

''اس نے کس چیز سے اسے پیدا کیا ہے ایک قطرہ سے اس نے اسے پیدا کیا پھر اس کی ایک ایک چیز کا اندازہ ٹھہرایا پھر راہیں اس پر آسان کیں''۔

انسان کو چاہئے کہ وہ غور و فکر کرے اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ مادہ پیدائش کی حقارت دیکھے اور اس کے اندر نقاش فطرت کی جلوہ گری دیکھے۔ آنکھوں کی جھیلوں میں جیسے زمانہ اتر آیا ہو۔ پیشانی کے ابھار میں جیسے مشرق و مغرب کے تمام افق سمو دیئے گئے ہوں۔ کانوں کے وسط میں ہزاروں پتلی اور پیچیدہ قوسیں جیسے بادلوں کے کڑک سے لے کر درختوں کی سائیں سائیں تک ہر آواز پناہ لے رہی ہو، دہن میں زبان ٹھنڈے، میٹھے اور گرم کھٹے ذائقوں کا فرق ایسے بتائے جیسے کوئی فرشتہ زبان کے نیچے بیٹھ کر اسے پیغام ذائقہ سنا رہا ہو اور وہ بولے تو سبحان اللہ علم کے دریچے وا ہوں۔ دانتوں کی چکی خوراک کی ہضم کرنے میں مدد دے تو محسوس ہو انسان صرف گوشت، پٹھوں اور ہڈیوں کا مجموعہ نہیں فطرت کی صنعت گری کا کرشمہ ہے اور لبوں پر مسکراہٹ چھائے اور باطن دہن سے دانت اپنے حسن عشق دار کے ساتھ باہر جھانکیں تو طلب حسن رکھنے والوں کے دل زیر و زبر ہو جائیں۔ انسان باہیں کھولے تو لگے جمال فطرت اس کی آغوش میں پناہ طلب کر رہا ہے۔ انسان کے قدم اٹھیں تو زمین پلچھ پلچھ جائے۔ انسان کے تخلیق کرنے والے نے خود ہی کتنا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

''بے شک ہم نے انسان کو بہت ہی خوبصورت معیار پر پیدا کیا ہے''۔ (التین: 4)

تخلیق کا دوسرا درجہ تسویہ ہے۔ اس لفظ کا معنی برابر کرنا اور درست کرنا ہوتا ہے۔ اللہ نے انسان کو صرف بنایا ہی نہیں اس کی تخلیق میں تناسب بھی رکھا ہے۔ اگر آنکھ کی جگہ کان ہوتے اور کانوں کی جگہ آنکھیں ہوتیں، کام و دہن پیشانی پر رکھ دیئے جاتے اور گردن کی ہڈی سخت کر دی جاتی تو کتنی دشواریاں ہوتیں۔ جمال اور حسن کی کتنی توہین ہوتی اور عشق کی کتنی داستانیں پھیکی پڑ جاتیں۔ آدم روتے کہاں اور حوا تڑپتی کدھر۔ رب کریم نے انسان کو یاد کرایا پیدا کرنے والے نے صرف تجھے پیدا ہی نہیں کیا تجھے توازن، تناسب اور تحاسن کی دولتیں بخشیں یہی تسویہ ہے۔

تیسرا درجہ تعدیل ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ حسن دیا تو اس میں جاذبیت رکھی۔ جمال بخشا تو اس میں تازگی کا اہتمام کیا۔ سینہ کی تخلیق ہوئی تو اس میں تعلق کی عطا ہوئی۔ دماغ عطا کیا تو اس میں کمال رکھا۔ باطن اور ظاہر ہر دو میں استحکام بخشا گیا۔ بنانے والا خوب جاننے والا بھی تھا۔ اسے ہر ایک کا علم بھی تھا کہاں برودت چاہیے اور کدھر مزاج میں گرمی درکار ہے گویا انسانی تکوین کی معراج تعدیل ہے۔ بنانے والے نے صرف بنایا ہی نہیں سنوارا بھی ہے۔ وجود انسانی میں حسن و زیبائی کے جلوے بھی ہیں اور اس کی اداؤں میں نظر افروزی کی نمود بھی ہے۔ بلاشبہ سورج میں روشنی ہے، چاند میں کشش ہے، پہاڑوں پر بتوں میں بوقلمونی ہے۔ دریاؤں میں روانی ہے۔ صبح کے افق پر تبسم ہے اور شام کے مطلع و مغرب جلوے رکھتے ہیں۔ بلبل اپنی نغمہ سنجیوں سے دلوں کو کھینچتے ہیں اور قمریوں کے گیت روحوں میں تلاطم پیدا کرتے ہیں لیکن بنانے سنوارنے اور مستحکم کرنے والے کی قسم انسانی حسن کے سامنے یہ سب رنگ پھیکے ہیں۔

اے انسان!
جس نے بنایا ہے
سنوارا ہے
اور تعدیل کی نعمت سے نوازا ہے

اس کے حرم محبت میں تسلیم و رضا ہی دولت ہے
تجھے ہرگز غرور زیبا نہیں

اللہ اس لعنت سے بچائے۔

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝

''جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا''۔

آیت انسانی وجود کی ترکیب اور مصوری میں جو تنوع، نیرنگی اور بوقلمونی ہے اس کی عکاسی کر رہی ہے۔ صورۃ میں تنکیر ہے اور اس کی تاکید حرف ''مـــا'' سے کی جا رہی ہے اور نکرہ یہاں فائدہ تکثیر کا دے رہا ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ چاہنے والے نے جو چاہا اور جس صورت میں چاہا اعضاء کو جوڑ دیا۔ کسی کو باپ کا حلیہ دے دیا۔ کسی میں ماں کی رنگت رکھ دی۔ کسی کو چچا کا روپ بخش دیا اور کسی میں ماموں کی خصلت رکھ دی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑتا ہے تو آدم تک تمام صورتیں اس کے سامنے لائی جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے اللہ جو شکل چاہتا ہے پیدا ہونے والے مولود کو عطا کر دیتا ہے(25)۔

قران مجید کا یہ مختصر سا جملہ انسان کی استعداد کی بات کرتا ہے کہ اس کے پیکر میں صرف حسن و زیبائی ہی نہیں بلکہ اس کی ترکیب میں علم آگاہی، اثر پذیری اور اثر گیری بھی رکھی۔ اس کے تنوع میں وہ کشش رکھی کہ وہ آیات الٰہیہ کا جلوہ بن گیا۔ انسانی دنیا میں صرف رنگ و روپ ہی نہیں بلکہ عقل و فکر کی استعداد بھی ہے۔ محض عقل کی موشگافیاں ہی نہیں روح کمال بھی ہے۔

رب کریم نے انسان کو آواز ماری کہ تو تخلیق باری کا شہکار ہے۔ تیرے حسن و زیبائی کے سامنے جمال کائنات سرنگوں ہے۔ تیری صلاحیتیں دیکھ کر دینے والے منعم نے تیرے سر خلافت کا تاج سجایا ہے۔ تیری ترکیب صورت میں حیرت و تجسس کے دنیا میں مضمر کر دی گئی ہیں۔ تیرا کام یہ نہیں ہے کہ گناہ گار، مغرور، تقصیر زدہ اور راندہ ہو کر زندگی گزارے۔ اٹھ اور اپنے وجود کے جہاں کو مبارک کر۔ تجھے انسان ہونے کا اعزاز دیا گیا ہے۔ تو اس کی قدر جان، بے ادبی اور دھوکے فریب والی زندگی سے باہر قدم رکھ۔ تجھ سے تیرا خالق مخاطب ہے۔ صدلاکھ زندگیاں تخلیق کرنے والا تیری دنیا کو جمال و کمال کے نور سے بھر دینا چاہتا ہے۔ آیات میں اللہ کی قدرت اور بندے کے ضعف و احتیاج کو آمنے سامنے لا کر ہدایت کا نصاب روشن کر دیا گیا ہے۔ خوب فرمایا تھا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے کہ خدا قادر ہونے کے باوجود کریم ہے اور انسان ضعیف اور نزار ہونے کے باوجود معصیت پر کس قدر جری ہے۔

آیت کا عمود تفسیر یہ ہے کہ بندہ خود کو دھوکے کے ماحول سے نکالے اور یقین کی فضا میں لا کر ان ذرائع سے مستفید ہو جو آخرت کو خوبصورت بنا دیتے ہیں اور انسان کا انجام صحیح ہوتا ہے۔ سمجھنے والی بات تو یہی ہے کہ

قران مسیحا ہے۔

کتاب رحمت کا حرف حرف ہدایت کا نشان ہے۔

وہ رسول جس کے سینے پر یہ کتاب اتری ہے اس کے لفظوں کے انقلاب، اس کی نظروں کی مسیحائی اور اس کے اسوہ کی پذیرائی سے یہ دنیا اور آنے والی دنیا روشن ہو سکتی ہے لیکن یہاں تک پہنچنے کے لئے ناقابل شکست یقین، محکم ارادے اور صالح اور مستقیم عمل کی ضرورت ہے۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝

''حقیقت ہے بلکہ تم قیامت کو جھٹلاتے ہو''۔

''كـــلا'' کلمہ ''ردع'' ہے جو زجر کے لئے آتا ہے(26)۔ دوسرے علماء لکھتے ہیں کہ یہ اسم ہے اور کسی کلام کو مسترد کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی یہ ''حقـــا'' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشی لکھتے ہیں کہ وقف اگر ''كـــلا'' پر ہو تو یہ ''ردع'' کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور اگر ''كـــلا'' سے پہلے وقف ہو اور ''كـــلا'' سے جملہ مستانفہ کا آغاز ہو تو پھر یہ ''حقـــا'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے(27)۔

اسلوب کلام بتاتا ہے کہ یہاں ''كـــلا'' نفی کے معنوں میں لایا گیا ہے۔ غرور اور غفلت کی ہر صنف اور ادب کی ہر نفی اور انکار مراد ہے گویا مفہوم کلام یہ ہے کہ یہاں کہا جا رہا ہے کہ کوئی ایسی چیز نہیں جس نے انہیں غرور میں مبتلا کیا سوائے اس کے کہ یہ قیامت کی تکذیب کر رہے ہیں۔ روز جزا پر عدم یقین نے انہیں ادھیڑ کر رکھ دیا ہے راغب اصفہانی نے بات ایسے ہی سمجھی ہے(28)۔

آیہ کریمہ صرف بیان حالت کے لئے ہی نہیں لائی گئی صرف یہ جان لیا جائے کہ تکذیب دین نے انہیں مغرور کر دیا ہے بلکہ یہ زخموں کے

لئے مرہم بھی ہے، زہر کے لئے تریاق کا کام دیتی ہے اور ظلمتوں میں چراغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اس طرح کہ قران سمجھا رہا ہے کہ قیامت پر یقین، ایمان اور تسلیم اگر روح اور دل میں پیدا کر لی جائے تو غرور کے قبیلے کی جتنی بھی قباحتیں ہیں ان سے بچا جا سکتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ مفسرین کی اکثریت نے آیت میں دین سے مراد روزِ قیامت لی ہے(29)، لیکن وہ مفسرین جنہوں نے دین سے مراد اسلام بحیثیت نظام لیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ ان کی تردید کی جائے۔

''تکذیب دین'' قرانی اصطلاح ہے یہ دونوں معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ وقوع آخرت سے انکار اور شعائر دین کو جھٹلا دینا سورہ ماعون خود اس پر عدالت کے ساتھ شہادت فراہم کرتی ہے(30)۔

اسلامی نظریات اور اعمال کا باہمی تعلق کشتی اور ملاح کا ہے۔ ایک کی تصدیق دوسرے پر یقین اور عمل کو مضبوط کرتی ہے اور دوسرے کا استحکام پہلے کا مؤید اور مؤکد ثابت ہوتا ہے۔ بڑی سادگی سے یہ مفہوم نظریاتی استحکام کا ذریعہ بن جاتا ہے اگر بندہ غرور سے بچے، تکبر سے پرہیز کرے، روحانی معمولات سے مستفید ہو تو یقیناً دین کی دنیا خوب سے خوب تر ہوتی ہے اور اگر اعمال کمزور ہوں تو پختہ سی بات ہے نظریاتی دنیا کی چولیں بھی ہل جاتی ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ نے دین سے دونوں مفہوم مراد لئے ہیں۔ قیامت کا دن بھی اور اسلام بحیثیت دین بھی، آیت کے مفہوم میں شامل رکھا ہے(31)۔

وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝۱۱ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲

''حالانکہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں، معزز لکھنے والے، جانتے ہیں جو تم کرتے ہو''۔

ان آیات بینات میں تین حقائق کو کھول کہ بیان کیا گیا ہے:

پہلی حقیقت یہ ہے کہ تم پر نگہبان، نگران اور پاسبان معین اور مقرر ہیں۔

دوسری یہ کہ وہ بڑے معزز اور مکرم لکھنے والے ہیں۔

اور تیسری یہ کہ جو بھی تم کرتے ہو وہ اسے جان لیتے ہیں۔

مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاری علیہ الرحمۃ کے ملفوظات میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک خطبہ پڑھا(32)۔

اے اللہ کے بندو!

کبھی تم نے سوچا کہ تمہیں میں سے کچھ لوگ تم پر مقرر کر دیئے گئے ہیں جو تمہاری نگرانی کرتے ہیں۔ وہ تمہارے بدن کے اعضاء ہیں اور کچھ دیگر صحیح اور اختاط طریقے سے تمہارا حساب رکھنے والے ہیں اور وہ تمہارے ہر عمل کو لکھتے ہیں یہاں تک کہ تمہاری سانسوں کی تعداد بھی انہیں معلوم ہوتی ہے۔ ان کے اور تمہارے درمیان مضبوط دروازے اور رات کی ظلمتیں حجاب نہیں بن سکتی۔

آیت میں حافظین سے مراد فرشتے ہیں جو انسانی اعمال کی نگرانی کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

کہ یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت جدا نہیں ہوتے تم ان کا احترام کرو۔ غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو(33)۔

ایک اور حدیث میں ہے:

کراماً کاتبین جب بندوں کا روزنامہ اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں تو شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اس کے درمیان درمیان کی سب خطائیں اپنے بندے کو معاف کر دی ہیں(34)۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتے صرف ثبت اعمال ہی نہیں کرتے ۔ آیت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ فرشتوں کا نورانی گروہ بندوں کو ناگوار حادثوں، مصیبتوں اور شیطانی وسوسوں سے بھی بچنے میں مدد دیتا ہے۔ یہاں فرشتوں کا انسانوں پر محافظ ہونا اس لئے بیان ہوا ہے کہ بندگانِ خدا اپنے اعمال کی طرف توجہ دیں۔ فرشتوں کو بزرگ کہنا انسان کی حس اور ادراک کو تیز کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ انسان معزز لوگوں کے سامنے خود کو آلودہ نہیں ہونے دیتا اور کاتبین کہنے کا فلسفہ یہ ہے کہ فرشتے صرف حافظے کی مدد سے اعمال محفوظ نہیں کرتے بلکہ باریک بینی سے لکھتے بھی ہیں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝۱۳ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝۱۴

''بے شک نیکیوں والے آرام و راحت میں ہوں گے، اور بے چک بدکار بھڑکتی آگ میں ہوں گے''۔

پاسبانی کے زبردست نظام کا مقصد کیا ہے؟

صرف یہ کہ آج انسانوں پر واضح ہو جائے نیکوکار اور بدکار ایک جیسے لوگ نہیں۔ جب یہ ایک جیسے نہیں تو ان کا انجام بھی ایک جیسا نہیں۔ نیکوکار یقیناً جنت میں داخل ہوں گے اور روحانی اور ایمانی لحاظ سے کئی پھٹی شخصیت رکھنے والے دوزخ کے بھڑکتے شعلوں کی نذر کر دیئے جائیں گے۔ مطلب یہ کہ کائنات کا خالق، مالک اور پالن ہار نیکی اور بدی کے معاملہ میں بے پرواہ نہیں اور نہ ہی ایسے ہے کہ نیک اور بد دونوں اس کی نگاہ میں یکساں ہوں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اچھا لکھا ہے کہ معاملہ دنیا کی طرح نہ ہوگا کہ کوئی مکر کر لے، سفارش لڑا لے اور آگے پیچھے کھسک جائے، ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق عاقبت اور انجام کی منطقیت ضرور پالے گا (35)۔

بلاغت کے اعتبار سے یہاں کلام میں ترصیع ہے یعنی پہلی آیت کے لفظ دوسری آیت کے لفظوں کے برابر لائے گئے ہیں اور وزن بھی ایک ایسا ہے ایک طرف ابرار ہے دوسری طرف فجار ہے، ایک میں نفی ہے اور دوسری میں بھی نفی ہے، ادھر اگر نعیم ہے تو دوسری طرف جحیم ہے۔ علم بدیع کے مطابق مرصع کلام میں معنوی بلاغت بامِ عظمت چھو لیتی ہے۔ دونوں آیتوں میں صنعتِ طباق اور تطبق لائی گئی ہے یعنی متضاد معانی سے کسی ایک بات کو قوت اور طاقت دینا۔ یہاں جس معنی اور مطلب پر زور ہے وہ انسان کا اپنے باطن کو بیدار کر کے نیکی کو اپنانا اور برائی سے بچنا ہے (36)۔

يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾

''قیامت کے دن اس میں داخل ہوں گے اور وہ اس سے غائب نہ ہو سکے گے''۔

دنیا میں رہتے ہوئے ناگوار چیزوں سے بچنے کے لئے جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱: حیلہ کرنا اور کوئی تدبیر بنانا

۲: موقع تلاش کر کے بھاگ جانا

۳: خوشامد کر کے بھاگ جانا

۴: لالچ دے کر جان چھڑا لینا

۵: رشوت دے کر خلاصی کی راہ تلاش کر لینا

۶: تکلیف کا بوجھ نہ برداشت کرتے ہوئے

۷: خودکشی کر لینا اور یہ سمجھنا کہ یک راہ ہو گیا ہوں

۸: طاقت آزمائی کر لینا اور زور سے آزادی حاصل کر لینا

قران مجید نے اثبات اور نفی دونوں طریقوں سے فجار کو حصار میں گرفتار کرنے کی بات کی ہے۔

پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ بروزِ قیامت ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ وہ کسی حیلہ یا تدبیر سے وہاں سے غائب بھی نہ ہو سکیں گے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ کافروں کے لئے ''خلود فی النار'' ہوگا۔ معتزلہ کا یہ اعتراض درست نہیں کہ گناہ گار بھی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے (37)، اس لئے کہ ان کی رستگاری شفاعت اور اذنِ الٰہی سے ہوگی۔ وہ خود کسی حیلے بہانے سے نہیں نکلیں گے۔ واللہ اعلم

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾

''اور تم تخمینے سے کیا جانو کہ قیامت کا دن کیا ہے، پھر تم تخمینے سے کیا جانو کہ قیامت کا دن کیسا ہے''۔

تو کیا جانے کہ روزِ جزا کیا ہے؟

یہاں خطاب قاریٔ قرآن سے ہے کہ حوادث قیامت کی تلخی، وقوع قیامت کی ہولناکیاں اور عرصہ محشر کے اضطرابات اور وحشتیں ادراک میں نہیں لائی جا سکتیں۔ الفاظ میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اس شدت کا حامل نہیں جو قیامت کی وقوعی کیفیات میں مضمر ہوگا۔ جس طرح مکینانِ دنیا جنت کی بے پایاں وسیع نعمتوں سے من کل الوجوہ آگاہ نہیں ایسے ہی کی تلخیاں محض لفظوں میں سموئی نہیں جا سکتیں۔

آیات میں اگر خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے تو پھر یہ تفسیر ہرگز نہ کی جائے گی کہ پیغمبر وسیع اور عظیم علم کے باوجود قیامت کی ہولناکیوں سے باخبر نہیں۔ دراصل ہر علم رسول کی خبر ہی کا مرہون منت ہے۔ علمِ رسول کی تحدید کرنے والے مفسرین نے یہاں ٹھوکر کھائی ہے۔ اصل میں اگر خطاب حضور ﷺ ہی کی ذات سے ہو تو بھی نفی ادراک کی ہے علم کی نفی نہیں۔ علم اس ٹھوس اور صداقت مآب حقیقت کا نام ہوتا ہے جس میں

غلطی کا امکان نہیں ہوتا جب کہ ادراک ظن اور تخمینے اور تجربے سے تعلق رکھنے والا علم ہوتا ہے۔ یہ حقیقت قطعی اور دوٹوک ہے کہ انبیاء جو کچھ دیتے ہیں وہ تجربے سے نہیں وحی سے عطا کرتے ہیں۔ اس باریک علم کو زیرِ نظر رکھنے والا قاریٔ قران کبھی ٹھوکر نہ کھائے گا۔

واللہ اعلم

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾

''وہ دن جب کوئی جان کسی جان ے لئے کسی چیز کی مالک نہ ہوگی اور حکم اس دن اللہ ہی کے لئے ہوگا''۔(19)

یہ دو آیتیں اللہ تعالیٰ کے مالک اور امر ہونے کا اعلان کرتی ہیں۔ یہ بات سورہ فاتحہ میں سکھائی گئی تھی۔ اللہ رب ہے، رحمٰن اور رحیم ہے اور قیامت کے دن کا مالک ہے۔ پورے قرآن میں یہی عقائد پھیر پھیر کر بیان کیے گئے۔ یہ دنیا ہو یا آنے والی دنیا ہر چیز میں تحسین، خوبی بناؤ، سلجھاؤ اور عدل اور توازن ہے۔ عرصہ محشر میں بھی یہ سب حقیقتیں کارفرما ہوں گی لیکن غلبہ عدل اور توازن کا ہوگا البتہ معاملات اور قضایا میں قدرت اور گرفت عدل اور انصاف کے لئے ضروری ہوتی ہے، اس لئے یہاں قیامت کے دن کے لئے کہا گیا کہ کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا مالک نہ ہوگا، حکومت، قدرت اور اقتدار سب اللہ ہی کی شان ہوگی۔ اس دنیا میں بھی اگرچہ ہر کام اللہ ہی کی قدرت سے ہوتا ہے لیکن مجازی طور پر پھر بھی کچھ امور انسان خود نبھاتا ہے لیکن قیامت کے دن یہ مجازی گرفت واختیار ختم ہو جائیں گے اور مطلق حاکمیت اللہ ہی کے لئے ہوگی۔

اے کہ جس کے ہاتھ میں ہے
کہ آسمان پھٹ جائے
ستاروں کو بکھیر دے
سمندروں کو خوفناک آگ میں بدل ڈالے
قبریں چیر کر
زندہ پیکر پھر سے متحرک کر دے
شعور دے
کہ
اگلا پچھلا حاضر کر دیا جائے گا
مالک نفوس وارواح
تو
پروردگار ہے اور کریم ہے
تو نے ہی تخلیق کا جامہ پہنایا
درست کیا اور نک سک ٹھیک کی
تجھ پر ایمان ہے
یقین ہے اور یہ عقیدہ ہے
کہ
روزِ جزا آنے والا ہے
بے شک ہم پر محافظ فرشتے مقرر معین ہیں
اور لکھتے ہیں جو ہم کرتے ہیں
ہمارا ہر فعل ان کے قلم کی دسترس میں ہے
اے اللہ!
تیرے اس فیصلہ پر بھی یقین ہے
کہ
نیک لوگ جنت جائیں گے

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

اور
فجار دوزخ سے بھاگ نہیں سکیں گے
بے شک
قیامت کی ہولناکیاں ہلا دینے والی ہیں
ہمیں معلوم ہے
کوئی جان کسی جان کی مالک نہ ہوگی
حکم اس دن اللہ ہی کے لئے ہوگا
اے اللہ
اپنے عذابوں سے بچانا
اپنی آگ کو ہم پر ٹھنڈا کرنا
اپنی جنت کے دروازے ہم پر کھول دینا
ہمیں آج ہی معاف کر دے
ہمیں کل کی رسوائی سے رستگاری بخشنا
موت کا وقت آسان کرنا
کلمات شہادت کا ورد دے دینا
مشکل اور جان لیوا لمحوں میں
اپنے پیارے حبیب ﷺ کی زیارت بخش دینا
بے شک
ہمارا ہر معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے
اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر
الصلوٰۃ والسلام علی حبیک ﷺ
وعلی ال حبیک
واصحاب حبیک

☆☆☆

WWW.NAFSEISLAM.COM

حوالہ جات

(1) سورہ تکویر: 1 ایضاً سورہ انشقاق، سورہ الحاقہ
(2) فی ظلال القرآن: سید قطب
(3) القرآن: سورہ رحمٰن
(4) تفسیر حقانی: مولوی عبدالحق دہلوی
(5) البحر المدید؛ ابن عجیبہ حسنی ایضاً تفسیر المراغی: احمد مصطفیٰ: مراغی ایضاً ماوردی
(6) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(7) سورہ تکویر آیت 6
(8) تفسیر ماتریدی: ابو منصور ماتریدی
(9) المفردات فی غریب القرآن: راغب اصفہانی ایضاً روح البیان
(10) لسان العرب: ابن منظور
(11) القرآن سورہ توبہ حوالہ روح البیان

(12)القرآن سورہ نازعات آیت13,14

(13)القرآن سورہ زلزال آیت2

(14)تاویلات اہل سنہ:ابومنصور ماتریدی

(15)سورۃ یس آیت51

(16)تفسیر کبیر:فخرالدین رازی ایضاً التفسیر المنیر

(17)روح المعانی:آلوسی

(18)تفسیر کبیر:فخرالدین رازی

(19)فتح العزیز:شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

(20)القرآن سورہ القیامہ آیت13

(21)تفسیر القرآن الکریم:ابن کثیر ایضاً مظہری ایضاً ابن جریر طبری

(22,23,24)تفسیر مظہری:قاضی ثناءاللہ پانی پتی

(25)تفسیر مظہری:قاضی ثناءاللہ پانی پتی،ایضاً فتح العزیز: عبدالعزیز محدث دہلوی

(26)روح المعانی:آلوسی ایضاً التفسیر المنیر :استاذ وھبہ

(27)البرھان:بدرالدین زرکشی

(28)المفردات فی غرائب القران:راغب اصفہانی

(29)تفسیر القران:ابن کثیر ایضاً البحر المحیط :ابوحیان اندلسی ایضاً تفسیر کبیر:فخرالدین رازی ایضاً ابن عاشور ایضاً مراغی ایضاً صابونی ایضاً روح البیان

(30)القران سورۂ ماعون آیت:1

(31)تفسیر مظہری:قاضی ثناءاللہ پانی پتی

(32)جامع العلوم:مخدوم جہانیاں ایضاً نہج البلاغہ ایضاً نمونہ

(33)تفسیر القران:ابن کثیر

(34)تفسیر القران:ابن کثیر

(35)تفسیر العزیز:شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

(36)فتح العزیز:شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ایضاً التحریر ایضاً اعجاز القران

(37)تفسیر کبیر:فخرالدین رازی ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی

☆☆☆

Nafse Islam
WWW.NAFSEISLAM.COM

تکبر: جنت سے محرومی کا باعث

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن عبد الله عن النبی ﷺ قا ل لا ید خل الجنة من کا ن فی قبله مثقا ل ذرة من کبر ولا ید خل النا ر من کا ن فی قبله مثقا ل ذره من ایما ن فقا ل رجل انه یعجبنی ان یکو ن ثوبی حسبنا ونعلی حسنا قا ل ان الله یحب الجمال ولکن الکبر من بطر الحق وغمض النا س (جامع ترمذی جلد۲ص۴۶۴۔۴۶۳ باب ماجاء فی الکبر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو اور وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرے کپڑے اچھے ہوں اور میرا جوتا خوبصورت ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حسن و جمال کو پسند کرتا ہے لیکن تکبر (کرنے والا) وہ ہے کہ حق کو قبول نہ کرے اور لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔

رسول اکرم ﷺ اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے آپ نے فرمایا:

بعث لا تمم حسن الاخلا ق (مشکوٰۃ شریف ص:۴۳۲)

''مجھے اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا''۔

یعنی ہر نبی اخلاق حسنہ کی تعلیم کے لئے تشریف لائے اور انہوں نے لوگوں کو عقائد و عبادات کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی میں اچھے اخلاق اپنانے کی تعلیم دی، لیکن چونکہ رسول اکرم ﷺ کو ختم نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ پر سلسلہ نبوت کی تکمیل کر دی گئی اس لئے اچھے اخلاق کی تکمیل کے ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی۔

حدیث مذکورہ بالا جہاں رسول اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی خوبیوں کو نمایاں کرتی ہے وہاں یہ حدیث آپ کے خاتم النبین (یعنی آخری نبی) ہونے کی بھی واضح دلیل ہے۔

اخلاق یا خلق اس جوہر کا نام ہے جو انسان میں موجود ہوتا ہے اور وہ اسے اچھے یا برے کام کے لئے آمادہ کرتا اور وہ شخص اس کام کو بلا تکلف انجام دیتا ہے، لیکن اس کا عام فہم معنیٰ سیرت و کردار ہے اگر کوئی شخص اچھی سیرت کا مالک ہو تو وہ اخلاق حسنہ سے موصوف ہوتا ہے اور اگر برے کردار کا حامل ہو تو وہ اخلاق بد (برے اخلاق) سے متصف ہوتا ہے۔

برے اخلاق میں بدترین عادت تکبر ہے، تکبر کا لفظ عربی گرائمر کے حوالے سے باب تفعل کا مصدر ہے اور اس باب میں تکلف اور تصنع پایا جاتا ہے جیسے تمرض وہ خود ساختہ مریض بن گیا گویا جب کوئی شخص اپنے اندر اس بڑائی کو جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا لباس قرار دیا حدیث قدسی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

بقول الله تعالی الکبر یا ر دا تی ولاالعظمة ازاری فمن نا ز عنی واحدا منهما ادخلته النا ر (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۳، باب الغضب والکبر)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کبریائی (بڑائی اور عظمت) میرا لباس ہے پس جو شخص ان میں سے کسی ایک چیز کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔ اپنے اندر تو وہ تکبر کا مرتکب ہوتا ہے۔

آغاز میں جس حدیث کو ذکر کیا گیا اس میں اسی بات کا اظہار ہے کہ تکبر چاہے کم ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے تکبر اور ایمان کو ایک دوسرے کا تقابل قرار دیا۔ متکبر کے لئے جنت کے دروازوں کی بندش اور مومن کے لئے جہنم میں داخلہ کا ممنوع ہونا بیان کیا۔

حقیقت یہ ہے اور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب کہ خوارج کے نزدیک ایسا شخص مسلمان نہیں رہتا۔

تو اہل سنت کے نزدیک تکبر اور ایمان کس طرح باہم مقابل ہوں گے۔

تو اس سے پہلے ہمیں یہ بات جاننا چاہئے کہ بعض کاموں کی برائی اس قدر شدید ہوتی ہے کہ ان سے محرومی کو ایمان سے محرومی قرار دے کر رسول کریم ﷺ نے ان کی شدت کو ظاہر فرمایا۔ جس طرح آپ نے فرمایا:

لا ایمان لمن عهدله

''جو شخص اپنائے عہد نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں (یعنی ایمان کامل نہیں)۔ ایسی صورتوں میں ایمان کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کے کمال کی نفی ہوتی ہے اور اس باب کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ کام اہل ایمان کے شایان شان نہیں۔

اسی طرح یہاں بھی تکبر کو ایمان کے مقابل قرار دے کر تکبر کی شدید مذمت کی گئی اور بتایا گیا کہ مومن تکبر نہیں کرتا کیونکہ وہ حق کو تسلیم کرتا ہے یا اس سے وہ تکبر مراد ہے جو کفر کی شکل اختیار کرتا ہے یعنی حق کا انکار کرنا تو اس صورت میں متکبر یقیناً جنت سے محروم ہوگا کیونکہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہوتا ہے یہی نہیں بلکہ وہ ایمان کے مقابلے میں اکڑتا بھی ہے اور حق کی اصلیت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔

جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جہنم میں نہیں جائے گا، یہ ایمان کی برکات ہیں کہ مومن اگر چہ اعمال صالحہ کی قلت کا شکار ہو لیکن وہ جنت کا مستحق ہوتا ہے۔ کافر اگر چہ اچھے کام کرے خدمت خلق بجالائے، رفاہ عامہ کے کام کرے جنت سے اس لئے محروم رہتا ہے کہ اس کے پاس ایمان کی دولت نہیں ہوتی۔

رسول کریم ﷺ نے جہاں تکبر کی مذمت فرمائی وہاں اس باب کی وضاحت بھی فرمائی کہ تکبر کیا چیز ہے، عام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ اچھا لباس، عمدہ گاڑی اور خوبصورت مکان وغیرہ تکبر کی علامت ہیں، اسی فکر کی بنیاد پر حضور ﷺ سے سوال بھی کیا گیا لیکن آپ نے فرمایا کہ یہ چیزیں تکبر کی علامت نہیں، تکبر یہ ہے کہ انسان حق کے مقابلے میں اکڑ جائے اور اسے قبول نہ کرے اور (اپنی دولت اور اقتدار کے بل بوتے پر) دوسرے لوگوں کو حقیر جانے۔

قیمتی لباس جس میں اسراف نہ ہو انعامات الٰہیہ کا اظہار اور شکر ادا کرنا ہے جب ایسا شخص تواضع کی راہ اپنائے لیکن جب وہ اپنی دولت اور اقتدار کی وجہ سے دوسرے انسانوں کو کیڑے مکوڑے سمجھنا شروع کرے تو وہ متکبر ہے جس کے لئے بارگاہ خداوند میں قبولیت کی کوئی گنجائش نہیں۔

ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

بحث المتکبرو ن مثا ل الذر یو م القیا مة فی صوره الرجا ل یغشا هم النل من کل مکا ن یسا قون الی سجن فی جهنم یسمی بو لس لغلو هم نا ر الدنیا یسقون من عصارة اهل النا ر طینة الخیال۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۴۔۴۳۳۔ باب الغضب والکبر)

قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کی جونیتوں کی مثل انسانی صورت میں اٹھایا جائے گا ان کو ہر طرف سے ذلت نے ڈھانپا ہوتا ہے وہ جہنم کے ایک قید خانہ جس کا نام بولس ہے لے جائیں گے، ان پر آگوں کی آگ چڑھائی ہوگی اور ان کو جہنمیوں کی پیپ اور خون پلایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تکبر سے بچنے اور تواضع اختیار کرنے کی توفیق مرحمت عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

WWW.NAFSEISLAM.COM

تجلیات شب برات

فضائل ومسائل

ابوالوفا مفتی سیف الرحمن قادری برکاتی

الحمدللّٰہ الذی انعم علینا بتفضیل بعض اللیالی والایام۔ والصلاۃ والسلام علی سیدنا خیر الانام و ناشر الاحکام الحلال و الحرام۔ وعلٰی الہ و اصحابہ الذین نور و اباراھم دین الاسلام۔ امّا بعد فقد قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ فی الکلام المجید۔

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حٰم۔ والکتاب المبین۔ انا انزلنا فی لیلۃ مبارکۃ انا کُنا منذرین۔ فیھا یفرق کل امر حکیم۔ امرامن عندنا انا کنا مرسلین۔ رحمۃ من ربك انه هو السمیع العلیم۔(الدخان 6-1)

''اس روشن کتاب کی قسم، یقیناً ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا۔ بے شک ہم ہی ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکمت والا کام بانٹ دیا جاتا ہے ہمارے پاس کے حکم سے یقیناً ہم پھیجنے والے ہیں تمہارے رب کی رحمت سے بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے''۔

فوائد اولیٰ:

حم۔ حروف مقطعات میں سے ہیں۔ ان کے متعلق مفسرین کرام کے اقوال حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ اسی سورۃ کے نام ہیں۔
۲۔ پورے قرآن کا نام ہیں۔
۳۔ خدا تعالیٰ کے دو ناموں کے مخفف ہیں۔ یعنی الحیُّ القیوم اللہ تعالیٰ کے دو مبارک نام ہیں اور یہ حم ان دونوں کا مخفف ہیں۔
۴۔ ''ح'' سے وحی خاص اور ''م'' سے حضور ﷺ کے اسم گرامی کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ حروف ان دونوں کا مخفف ہیں۔
۵۔ ان سے حمد الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔
۶۔ جملہ حمیت المخبین کا مخفف ہیں، یعنی میں اپنے دوستوں کی حمایت کرتا ہوں۔

فائدہ ثانیہ:

قواعد عربیہ کی رو سے حروف حم میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ یہ الگ اور مستقل حروف ہیں۔ جن کا اعراب سے کوئی واسطہ نہیں۔ دوسرا یہ کہ یہ مقسم بہ ہے، پھر والکتاب المبین میں بھی دو احتمال ہوں گے: ایک یہ کہ اس میں واؤ قسمیہ ہو۔ دوسرا یہ کہ واؤ عاطفہ ہو۔ یہ دونوں احتمال پہلے دو احتمالوں پر مرتب ہیں۔ ''جملہ انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ'' یا تو دونوں کے لیے جواب قسم ہے یا صرف ایک کے لئے۔

فائدہ ثالثہ:

مقسم کی، یعنی جس کی قسم کھائی جائے۔ اس میں ان تین باتوں میں سے ایک ضروری ہوگی ورنہ قسم اصولاً ٹھیک نہ ہوگی۔ وہ تین باتیں یہ ہیں:

۱۔ خوف و ہراس اور امید و یاس جیسے ''تاللّٰہ لا کیدن اصنامکم''، یعنی خدا کی قسم کھانے والے کے پیش نظر تین چیزیں ہوتی ہیں۔
۲۔ عزت و عظمت، جیسے قرآن مجید مثلاً والقرآن الحکیم اس کی قسم کھانے والے کا یہی مقصود ہوتا ہے۔
۳۔ پیار و محبت، جیسے محبوب کا ناز و ادا یا اس کی کسی چیز کی قسم مثلاً لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون۔ والعصر ان الانسان لفی خسر

فائدہ رابعہ:

الکتاب المبین سے مراد قرآن مجید ہے پس قرآن مجید کے متعدد نام ہیں جو کہ اس کی عزت و عظمت پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اور شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی میں قرآن مجید کے حسب ذیل مشہور اسماء مبارکہ نقل فرماتے ہیں:

۱۔ کتاب	۲۔ قرآن
۳۔ فرقان	۴۔ ذکر
۵۔ تذکرہ	۶۔ تنزیل
۷۔ الحدیث	۸۔ موعظۃ
۹۔ حکیم	۱۰۔ محکم

۱۱۔ حکم	۱۲۔ حکمت
۱۳۔ شفا	۱۴۔ ہدیٰ
۱۵۔ صراط مستقیم	۱۶۔ حبل
۱۷۔ رحمت	۱۸۔ روح
۱۹۔ قصص	۲۰۔ بیان
۲۱۔ تبیان	۲۲۔ بصائر
۲۳۔فصل	۲۴۔نجوم
۲۵۔ شافی	۲۶۔نعت
۲۷۔ برہان	۲۸۔ بشیر
۲۹۔ نذیر	۳۰۔ قیم
۳۱۔ ہادی	۳۲۔میمن
۳۳۔نور	۳۴۔حق
۳۵۔عزیز	۳۶۔کریم
۳۷۔عظیم	۳۸۔مبارک

یہ سب نام قرآن کی مختلف آیتوں میں مذکور ہیں۔ وہ آیات یا تو کسی حافظ قرآن سے معلوم کی جاسکتی ہیں یا تفسیر کبیر اور عزیزی میں ملاحظہ ہوں، نیز ان اسماء مذکورہ کی تشریح بخوف طوالت ترک کی جاتی ہے۔ یہ شوق کتب تفسیر کے مطالعہ سے پورا کیا جاسکتا ہے۔

فائدہ خامسہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''انا انزلناہ'' بے شک ہم نے اس کو اتارا۔ انزلنا باب افعال کی ماضی ہے جس کا مصدر انزال ہے، جس کے معنی اتارنا ہیں۔ نزول، انزال اور تنزیل تینوں میں ائمہ عربیہ کے نزدیک معنوی فرق ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے: نزول کے معنی اوپر سے نیچے اترنا یہ صعود کا مقابل ہے جس کے معنی ہیں نیچے سے اوپر چڑھنا۔ چونکہ کلام میں اترنا اور نقل و حرکت نہیں ہوسکتی لہٰذا اس کے اترنے اور نقل و حرکت کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

ایک یہ کہ کسی چیز کو منتقل کیا جائے جیسے ہم کوئی بات خط میں لکھ کر بھیج دیں تو وہ بذریعہ اس کاغذ کے منتقل ہوئی۔ کتب سابقہ کا نزول یونہی ہوا تھا۔

دوسری یہ کہ کسی آدمی سے کوئی بات کہلا کے بھیج دی جائے۔ اس صورت میں حرکت کرنے والا وہ آدمی ہوگا اور وہ کلام اس کے ذریعے سے حرکت کرے گا۔

تیسری یہ کہ بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے سننے والے سے کلام کیا جائے۔ قرآن مجید کا نزول ان پچھلے دو طریقوں سے ہوا، یعنی حضرت جبریل علیہ السلام، حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کلام الٰہی سناتے تھے۔ یہ نزول بذریعہ قاصد ہوا اور قرآن مجید کی بعض آیات شب معراج میں بلا واسطہ جبریل امین حضور ﷺ کو عطا ہوئیں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف باب المعراج میں ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات حضور ﷺ کو معراج میں عطا فرمائی گئیں۔ لہٰذا قرآن پاک کا نزول دوسری آسمانی کتابوں کے نزول سے زیادہ شاندار ہے۔ کیوں کہ وہ لکھی ہوئی آئیں اور یہ بولا ہوا آیا لکھنے اور بولنے کے درمیان جو فرق ہے اس کو اہل علم بخوبی جانتے ہیں۔ انزال کے معنی ایک دفعہ اتارنا ہے اور تنزیل کے معنی آہستہ آہستہ اتارنے کے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں اس لیے اس کے بارے میں کہیں ''انزلنا'' فرمایا گیا جیسا کہ آیت مذکورہ الصدر سے ظاہر ہے اور کہیں ''نزلنا'' جیسا کہ ارشاد ہے **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون** ''یعنی بے شک ہم ہی نے آہستہ آہستہ ذکر (قرآن مجید) اتارا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ قرآن اور دیگر آسمانی کتب کے نزول میں تین طرح کا فرق ہے:

ایک یہ کہ وہ کتب لکھی ہوئی آئیں اور قرآن مجید پڑھا ہوا یعنی وہ سب تحریری اور قرآن تقریری۔

دوسرا یہ کہ وہ متعلقہ انبیاء کرام کو خاص خاص جگہ بلا کر دی گئیں، لیکن قرآنی آیات عرب کے گلی کوچوں بلکہ حضور ﷺ کے بستر شریف پر بھی آئیں تاکہ حجاز کا ہر ذرہ قرآن کے جائے نزول ہونے کی وجہ سے باعظمت ہوجائے۔

تیسرا یہ کہ کتب سابقہ یک بارگی نازل ہوئیں اور قرآن مجید تیئیس (۲۳) سال کے طویل عرصہ میں نازل ہوا تاکہ حضور علیہ السلام سے

ہمیشہ ہم کلامی رہے اور مسلمانوں کو عمل کرنا آسان ہو۔

لیلہ مبارکہ:

آیات مذکورۃ الصدر میں جس رات کو لیلہ مبارکہ فرمایا گیا۔ اس کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اس سے شب قدر مراد ہے جو رمضان المبارک میں پائی جاتی ہے۔ پس اس قول کے مطابق ''لیلہ مبارکہ'' (برکت والی رات) اور لیلۃ القدر (قدر و قیمت والی رات) دونوں کا مصداق ایک ہے۔ گویا ایک ہی مسمّی کے دو نام۔ اکثر علماء کرام اور آئمہ تفسیر مثلاً حافظ ابن کثیر، امام نووی، شارح صحیح مسلم، قتادہ اور ابن زید کی یہی رائے ہے ان بزرگوں نے اس دعویٰ کے اثبات میں متعدد دلائل پیش کئے ہیں۔ یہاں ان سب کے نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں۔ ہاں البتہ ایک دلیل جس کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے ہم پیش کرتے ہیں، حافظ موصوف کی عبارت یہ ہے **من قال انها ليلة النصف من شعبان كماروى عن عكرمة فقد ابعد النجعة فان نص القرآن انها فى رمضان** یعنی ''جس شخص نے یہ کہا کہ وہ شعبان المکرّم کی پندرہویں رات ہے جیسا کہ عکرمہ سے مروی ہے تو یقیناً اس نے اپنی نگاہ کو راہ حق سے دور پھینکا، کیونکہ نص قرآن اس کے رمضان المبارک میں ہونے کی تصریح کرتی ہے''۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے شعبان کی پندرہویں رات (شب برات) مراد ہے۔ کچھ اسلاف اور اکابرین کی یہی رائے ہے۔ چنانچہ حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ''**غنية الطالبين**'' میں اسی رائے کی پرزور تائید کرتے ہیں اور حضرت عکرمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ پس اس قول کے مطابق ''لیلہ مبارکہ اور لیلۃ القدر'' ایک ہی رات کے دو نام نہیں ہیں بلکہ یہ الگ الگ دو راتیں ہیں جو ''شب قدر اور شب برات'' کہلاتی ہیں۔

شب برات قرآن کی روشنی میں:

اگر ''لیلہ مبارکہ'' سے شب برات ہی مراد ہو جیسا کہ بعض اکابرین کا قول ہے تو پھر قرآن مجید میں اس کی تین صفات مذکور ہیں:

پہلی یہ کہ اس میں نزول قرآن ہوا۔

دوسری یہ کہ برکت والی رات۔

تیسری یہ کہ اس میں پر حکمت کاموں کے فیصلے ہوتے ہیں۔

یہ تینوں صفات قابل تشریح ہیں، لہٰذا ان سب کی کسی قدر تشریح کی جاتی ہے۔

پہلی بات: (ایک شبہ کا ازالہ) اگر شب برات میں نزول قرآن مان لیا جائے تو پھر یہ سوال ہوگا کہ یہ دوسری آیت کے متصادم اور متعارض ہے کہ جس میں صراحتہً مذکور ہے کہ قرآن مجید شب قدر میں نازل ہوا اور شب قدر رمضان شریف میں ہے۔ لہٰذا شب برات میں نزول قرآن کا قول غلط ٹھہرا نیز کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ پر نزول قرآن ماہ ربیع الاول میں ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف کا چالیسواں سال شروع تھا تو پھر ان مخالف تعبیروں میں مطابقت کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: دنیائے حدیث کے مایہ ناز محدث حضرت شاہ عبدالعزیز اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نزول کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حقیقی (۲) تقدیری

شب قدر میں نزول حقیقی ہوا اور شب برات میں نزول تقدیری، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ وہ قرآن کو لوح محفوظ سے نقل کر کے آسمان دنیا پر پہنچا دیں تو جس رات انہوں نے اس کو آسمان دنیا پر بیت العزہ میں پہنچایا وہ ''شب قدر'' ہے پس آیت **انا انزلنا فى ليلة مباركة** یعنی ہم نے قرآن ایک برکت والی رات (شب برات) میں اتارا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے برکت والی رات (شب برات) میں فرشتوں کو نقل قرآن کے کام پر لگایا اور یہ عظیم کام ان کے سپرد کیا اور آیت ''**انا انزلناه فى ليلة القدر**'' یعنی ہم نے قرآن قدر و قیمت والی رات میں اتارا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن لوح محفوظ سے فرشتوں کے ذریعے آسمان دنیا پر اتارا پھر آسمان دنیا سے حضور ﷺ کے قلب اطہر پر ماہ ربیع الاول میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی آہستہ آہستہ تیئس (۲۳) سال تک نزول ہوتا رہا اور اس کی تکمیل تیئس (۲۳) سال کی مدت میں ہوئی۔ پس مختلف تعبیروں میں کوئی تعارض نہیں۔

دوسری بات: یہ بات کہ نزول قرآن والی رات کوئی معمولی رات نہیں بلکہ بڑی برکت والی رات ہے اور اس کے بابرکت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں متعدد فوائد اور منافع ہیں مثلاً نزول قرآن، نزول رحمت، نزول تجلیات وغیرہ پائے جاتے ہیں اور کسی شے کے بابرکت ہونے کا حقیقتاً یہی مفہوم ہوتا ہے، نیز یہ صفت زمانیات میں بالذات یا بالواسطہ پائی جاتی ہے، کیونکہ اعمال وافعال کے لئے وقت ظرف کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح فضیلت اور کمال میں ظرف اپنے مظروف کے تابع ہوتا ہے اسی طرح وقت بھی خیر و شر میں ان اعمال

کے تابع ہوتا ہے جو اس میں وقوع پذیر ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ وقت کی اچھائی یا برائی اعمال کے لحاظ سے ہوتی ہے اگر اس میں اچھے اعمال کیے گئے تو وقت اچھا ہوگا اور اگر اس میں برے اعمال کیے گئے تو وقت برا ہوگا، ورنہ ذاتی طور پر اس کے سارے اجزاء باہم برابر اور مساوی ہوتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی اچھائی یا برائی نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے زمانے کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور اس وقت کو بہتر قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزر جائے۔

بابرکت اشیاء:

یوں تو جس چیز میں فوائد اور منافع پائے جائیں وہ بابرکت چیز ہوگی، لیکن قرآن مجید نے خصوصیت سے جن چیزوں کے بابرکت ہونے کا اعلان فرمایا حسبِ ذیل ہیں:

(۱) **قرآن مجید** میں جیسا کہ ارشاد ہے "**وھذا کتاب انزلناہ مبارك فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون**" یعنی یہ برکت والی کتاب ہم نے اتاری۔ لہٰذا اس پر چلو تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

(۲) **خانہ کعبہ** جیسا کہ ارشاد باری ہے "**ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا و ھدی للعالمین**" یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے (جس کی شان یہ ہے) برکت والا ہے اور جہان والوں کے لئے راہنما ہے۔

وادی طور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا

"**فلما اتاھا نودی من شاطئی الواد الایمن فی البقعة المبارکة من الشجرة**" پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے اس برکت والے مقام میں ایک درخت سے آواز آئی۔

شجر زیتون جس کی اللہ تعالیٰ نے یوں تعریف بیان فرمائی "**یوقد من شجرة مبارکة زیتونة**" یعنی وہ چراغ ایک برکت والے درخت زیتون (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے۔

شب قدر یا شب برات جس کے بارے میں ارشاد باری ہے "**انا انزلناہ فی لیلة مبارکة**" یعنی ہم نے قرآن مجید ایک برکت والی رات میں اتارا۔

بارش چنانچہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سورہ "ق" میں ارشاد فرماتا ہے "**نزلنا من السماء ماءً مبارکا فانبتنا بہ جنات وحب الحصید الخ**" یعنی ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا، پھر اس سے بہت سے باغ اور کھیتی کا غلہ اگایا۔

یہ ہیں چھ چیزیں جن کے بابرکت ہونے کی قرآن مجید نے شہادت دی۔ رہا یہ سوال کہ ان کو موجب خیر و برکت کیوں قرار دیا گیا تو اس کا آسان جواب یہ ہے چونکہ اشیائے مذکورہ میں متعدد ایسے فوائد اور منافع پائے جاتے ہیں جو محتاجِ بیان نہیں اس لئے ان کے بابرکت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ "لیلۃ مبارکہ" میں پر حکمت کاموں کے فیصلے ہوتے ہیں اور فرشتوں کو اہم کاموں کی تنظیم کی ہدایت دی جاتی ہے۔ اس کے متعلق اکابرین امت کے حسبِ ذیل اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱) ائمہ تفسیر لکھتے ہیں کہ پورے سال جو کام ہونے والے ہوتے ہیں ان پر شعبان المکرّم کی پندرہویں رات (شبِ برات) میں فرشتوں کی ڈیوٹی لگ جاتی ہے اور ہر ایک کے ذمے الگ الگ کام لگائے جاتے ہیں تا کہ پورے سال کا نظام انجام پا سکے اور ہر ایک بخیر و خوبی اپنے فریضہ کو ادا کر سکے۔ جس کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ اس رات میں رزق و روزی کا رجسٹر حضرت میکائیل کے سپرد ہوتا ہے۔ جنگ و جدال اور ہونے والے حوادثات کا رجسٹر حضرت جبریل علیہ السلام کے سپرد ہوتا ہے اور اعمال کا رجسٹر فرشتہ اسرافیل (یہ آسمان دنیا پر نگران ہے) کے سپرد ہوتا ہے۔

(۲) حضرت ابن عادل فرماتے ہیں کہ اعمال کا رجسٹر حضرت اسرافیل علیہ السلام اور مصائب و بلیات اور واقعات موت کا رجسٹر حضرت عزرائیل (ملک الموت) کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ (تفسیر جمیل جلد چہارم ص ۱۱۷)

(۳) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رجسٹروں میں فیصلے شعبان کی پندرہویں رات کو لکھ دئے جاتے ہیں لیکن فرشتوں کے حوالے شب قدر میں کئے جاتے ہیں۔

(۴) علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مستقبل کے واقعات کو لوح محفوظ سے رجسٹروں میں نقل کرنے کا کام شب برات میں شروع ہوتا ہے اور شب قدر میں ختم ہوتا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۵) ایک روایت میں ہے کہ اس دنیا میں جس طرح انسانوں کے لئے دوعیدیں ہیں ایک عیدالفطر اور دوسری بقرعید (عیدالاضحیٰ) ایسے ہی عالم ملکوت میں فرشتوں کے لئے بھی دوعیدیں ہیں ایک تو یہی شب برات (شعبان المکرّم کی پندرہویں رات) اور دوسری شب قدر جو رمضان شریف میں ہوتی ہے۔ پس ان راتوں میں ملائکہ بیت المعمور (ساتویں آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے) میں خصوصی طور پر مشغولِ عبادت ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے جو بھی (خواہ مرد ہو یا عورت) ان راتوں میں مصروفِ عبادت ہو تو فرشتے اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ بہرحال اقوال مذکورہ سے ثابت ہوا کہ یہ بڑی اہم رات ہے۔ اس میں آئندہ سال میں جو حوادثات اور واقعات ہونے والے ہوتے ہیں مثلاً کون مرے گا اور کون پیدا ہوگا، کون غریب ہوگا اور کون امیر اور کس کس پر کیا کیا مصائب آئیں گے وغیرہ وغیرہ، ان سب واقعات کو لوح محفوظ سے فرشتوں کے الگ الگ رجسٹروں میں منتقل کر کے ان کی ڈیوٹیاں لگا دی جاتی ہیں۔ یہ ہے اس رات میں پر حکمت کاموں کے فیصلوں کی تفصیل جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔

حسن انتخاب! اللہ تعالیٰ نے جو مخلوقات کی مختلف انواع واقسام میں سے بعض چیزوں کو شرف انتخاب سے ممتاز فرمایا ہے جن میں سے مشت نمونہ از خروارے حسب ذیل ہیں:

(۱) ساری کائنات میں انسان۔
(۲) انسانوں میں انبیاء کرام۔
(۳) انبیاء و مرسلین میں سرور کائنات ﷺ۔
(۴) آسمانی کتابوں میں قرآن۔
(۵) فرشتوں میں جبریل امین۔
(۶) آسمان و زمین میں عرش عظیم۔
(۷) ستاروں میں آفتاب۔
(۸) جنتوں میں جنت الفردوس۔
(۹) شہروں میں مکہ مکرمہ۔
(۱۰) مقامات میں مساجد۔
(۱۱) مساجد میں خانہ کعبہ۔
(۱۲) پہاڑوں میں کوہ طور۔
(۱۳) پتھروں میں حجر اسود۔
(۱۴) پانیوں میں آب زمزم۔
(۱۵) زبانوں میں عربی زبان۔
(۱۶) پرندوں میں باز۔
(۱۷) وحشی درندوں میں شیر۔
(۱۸) غلوں میں گندم۔
(۱۹) پھلوں میں کھجور۔
(۲۰) پھولوں میں گلاب۔
(۲۱) رنگوں میں سفید رنگ۔
(۲۲) ماکولات میں گوشت۔
(۲۳) مشروبات میں دودھ۔
(۲۴) شرینیوں میں شہد۔
(۲۵) خوشبوؤں میں کستوری۔
(۲۶) روشنی میں بجلی۔

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

(۲۷) جواہرات میں لعل۔

(۲۸) دھاتوں میں سونا۔

(۲۹) سواری کے جانوروں میں گھوڑا۔

(۳۰) تیز رفتاری میں براق۔

(۳۱) بار برداری میں اونٹ۔

(۳۲) عبادات میں نماز۔

(۳۳) نیکیوں میں تقویٰ۔

(۳۴) کلام میں ذکرِ الٰہی۔

(۳۵) لباس میں ریشم۔

(۳۶) موسموں میں بہار۔

(۳۷) زمانوں میں آنحضرت ﷺ کا زمانہ۔

(۳۸) سالوں میں حضور ﷺ کا سال ولادت۔

(۳۹) مہینوں میں ماہ رمضان۔

(۴۰) دنوں میں روز جمعہ۔

(۴۱) راتوں میں لیلۃ مبارکہ۔

(۴۲) ساعتوں میں ساعت اجابتہ۔

شبِ برات کے چار نام:

شعبان المکرّم کی پندرہویں رات یعنی شبِ برات کے چار نام ہیں:

(۱) لیلۃ مبارکہ۔

(۲) لیلۃ الرائتہ

(۳) لیلۃ الصک

(۴) لیلۃ الرحمۃ

(۱) **لیلۃ مبارکہ** یعنی برکت والی رات، اسے برکت والی رات اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اچھے اعمال کرنے والوں کے لئے بکثرت برکات ہوتی ہیں اور عرش سے تحت الثریٰ تک ہر ذرہ جمال الٰہی کی برکتوں سے نوازا جاتا ہے نیز فرشتے اور مقدس روحیں جمع ہوتی ہیں۔

(۲) **لیلۃ الرئتہ** یعنی چھٹکارے اور رہائی کی رات، چونکہ اس رات میں بکثرت لوگ آتش دوزخ سے رہائی پاتے ہیں اس لئے اس رات کو لیلۃ البراہ کہتے ہیں۔

(۳) **لیلۃ الرحمتہ** اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

(۴) **لیلۃ الصک** اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ''صک'' کہتے ہیں سند اور تحریر کو چونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے برات اور سند لکھ دی جاتی ہے بایں وجہ اس کا یہ نام رکھا گیا۔

کہتے ہیں کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے شعبان کی پندرہویں رات میں نماز پڑھتے ہوئے سر اٹھایا تو ایک سبز نورانی کاغذ اپنے سامنے لکھا ہوا پایا جس کی نورانی شعاعیں آسمان تک پہنچی ہوئی تھیں اور اس میں یہ عبارت تحریر تھی ''**ھذا براءۃ عمر بن عبد العزیز من الملک العزیز**'' یعنی یہ عمر بن عبدالعزیز کے لئے (آتش دوزخ سے) رہائی کا پروانہ ہے زبردست اور غالب بادشاہ کی طرف سے۔

فضائل و برکات:

شعبان المکرّم اور اس کی پندرہویں رات کے بے شمار فضائل و برکات منقول ہیں ان میں سے چند باتیں پیش کی جاتیں ہیں۔

(۱) ''**قال رسول اللہ ﷺ شعبان شھری و رمضان شھر اللہ**'' یعنی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (لوگو) شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان شریف اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔

(۲) حضور غوث پاک اپنی مشہور و بلند پایہ تصنیف ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں کہ لفظ شعبان کے پانچ حروف ہیں اور ہر حرف اپنے اندر ایک معنی رکھتا ہے مثلاً شعبان کا ''ش'' شرافت لے کر اور ''ع'' علو لے کر، ''ب'' بر یعنی نیکی لے کر ''ا'' الفت اور ''ن'' نور لے کر آتا ہے۔ گویا اس مبارک مہینے میں شرافت و بلندی، نیکی، الفت اور نور کا سماں بندھ جاتا ہے اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ مبارک کی برکتوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔

(۳) عن علی قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا و صوموا یومھا فان اللّٰہ تعالیٰ منزل فیھا لغروب الشمس الی سماء الدنیا فیقول الا من مستغفر فاغفر لہ الا من مسترزق فارزقہ الا من مبتلی فاعافیہ الا کذا الا کذا متی یطلع الفجر (رواہ ابن ماجہ وایضاً رواہ المشکوٰۃ)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب شعبان کی پندرہویں ہو تو رات کو قیام کرو (نماز پڑھو) اور دن کو روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں غروب آفتاب سے آسمان دنیا پر اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ظہور ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو پکار کر یہ فرماتا ہے کیا ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اس کو معاف کر دوں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں، ہے کوئی مصیبت زدہ میں اس کو نجات دوں۔ لوگو! سن لو ہے کوئی فلاں فلاں حاجت والا (کہ مجھ سے فریاد کرے اور میں اس کی فریاد پوری کروں) پس اللہ تعالیٰ طلوع فجر تک یہی آواز دیتا رہتا ہے۔

(۴) عن عائشہ قالت فقدت رسول اللّٰہ ﷺ فاذا ھو بالبقیع فقال انت تخافین ان یحیف اللّٰہ علیک ورسولہ قلت یا رسول اللّٰہ انی ظننت انک اتیت بعض نسائک فقال اللّٰہ تعالیٰ ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی سماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب الخ رواہ الترمذی وزاد رزین ممن استحق النار

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات حضور ﷺ کو غائب پایا۔ پھر اچانک وہ بقیع (یہ مدینہ منورہ کا قبرستان ہے) میں تلاش کرنے پر مل گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! تمہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ خدا اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ خیال گزرا کہ شاید آپ ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ فرمایا یہ بات نہیں، تمہارا خیال غلط تھا، بلکہ میرے گھر سے نکلنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ شعبان المکرم کی پندرہویں رات ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے (اس کی تجلی خاص کا ظہور ہوتا ہے) پھر اس رات کو قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی سے بھی زیادہ لوگوں کو بخش دیتا ہے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ محدث رزین اس پر اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ یہ ان کی بخشش ہوتی ہے جو آتش دوزخ کے مستحق ہو چکے ہوں۔

''بنی کلب'' عرب کے ایک قبیلہ کا نام تھا جو بکثرت بکریاں رکھتے تھے اس وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کی بکریوں کا ذکر فرمایا۔

(۵) عن ابی موسیٰ الاشعری عن رسول اللّٰہ ﷺ قال ان اللّٰہ تعالیٰ لیطلع فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقہ الا لمشرک او مشاحسن (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو طلوع فرماتا ہے۔ پس سوائے مشرک اور کینہ ور کے اپنی ساری مخلوق کو بخش دیتا ہے۔

(۶) عن عائشہ عن النبی ﷺ قال ھل ندرین ما فی ھذہ اللیلۃ یعنی النصف من شعبان قالت ما فیھا یا رسول اللّٰہ فقال فیھا ان یکتب کل مولود بنی آدم فی ھذہ السنۃ و فیھا ان یکتب کل ھالک من بنی آدم فی ھذہ السنۃ و فیھا ترفع اعمالھم و فیھا تنزل ارزقھم فقالت یا رسول اللّٰہ ما من احد یدخل الجنۃ الا برحمۃ اللّٰہ تعالیٰ فقال ما من احد یدخل الجنۃ الا برحمۃ اللّٰہ تعالیٰ ثلثا قلت ولا انت یا رسول اللّٰہ فوضع یدہ علی ھامتہ فقال ولا انا الا ان یتغمدنی اللّٰہ منہ برحمۃ یقولھا ثلث مرات الخ (رواہ البیہقی الدعوت الکبیر)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! کیا تم جانتی ہو کہ اس رات (شعبان کی پندرہویں) میں کیا ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا جو بچہ اس رات میں پیدا ہونا ہو وہ اس رات میں لکھ دیا جاتا ہے اور جس بنی آدم نے اس سال ہلاک ہونا ہوتا ہے اس کا نام بھی اس رات میں لکھ دیا جاتا ہے اور اسی رات میں لوگوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور بندوں کا رزق نازل ہوتا ہے پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر آدمی خدا کی رحمت سے جنت میں جائے گا۔ ..... یہ تین مرتبہ فرمایا، پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی رحمتِ خداوندی ہی سے جنت میں جائیں گے تو

حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے سر پر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا ہاں میں بھی نہیں جا سکوں گا مگر یہ کہ وہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا۔

(۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کی یہ شعبان کی پندرہویں رات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں آتش دوزخ سے اتنے لوگوں کو آزاد فرماتا ہے کہ جتنے قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بال ہیں (عرب میں بنی کلب ایک قبیلہ ہے جن کے ہاں بکریاں بکثرت ہوتی تھیں) اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ چند لوگوں کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا اور وہ یہ ہیں:

(۱) کافر و مشرک۔

(۲) بلا وجہ عداوت رکھنے والا۔

(۳) رشتے داروں سے بدسلوکی کرنے والا۔

(۴) ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا۔

(۵) والدین کا نافرمان۔

(۶) ہمیشہ شراب پینے والا

(۷) قاتل (بیہقی شریف)

(۸) حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اٹھیے اور دعا مانگئے کیونکہ یہ شعبان کی پندرہویں رات ہے اللہ تعالیٰ اس رات کو اپنے بندوں پر تین سو دروازے رحمت کے کھولتا پس اے خدا کے رسول ﷺ اپنی امت کے حق میں بخشش کی دعا مانگئے مگر مشرک، جادوگر، نجومی، بخیل، شرابی، سود کھانے والا یا دینے والا، بدکار مرد یا عورت ان سب کے لئے ہرگز بخشش نہ مانگئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کرنے والا ہے۔

(۹) حضرت ابونصر بن سعید کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شعبان المکرم کی تیرہویں رات کو میرے پاس حضرت جبریل آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اٹھو نماز پڑھو اور اپنی امت کے حق میں دعا مانگو۔

میں نے حسب ہدایت اٹھ کر نماز پڑھی اور پھر گناہگار امت کے حق میں دعا مانگی۔ پھر صبح میرے پاس جبریل آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے ایک تہائی امت آپ کے حوالے کر دی میں نے آنسو بہا کر فرمایا کہ اے جبریل باقی دو تہائی کا کیا ہوگا انہوں نے عرض کی کہ مجھے کچھ علم نہیں۔ پھر چودہویں رات کو میرے پاس آئے اور حسب سابق نماز پڑھنے اور دعا کرنے کی ہدایت کی پھر میں نے ان کی ہدایت کے مطابق اٹھ کر نماز پڑھی اور امت کے حق میں دعا مانگی۔ پھر سویرے جبریل آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے دو تہائی۔ امت آپ کے حوالے کر دی۔ پھر میں نے ان سے رو کر کہا اے جبریل میری تیسری تہائی امت کا کیا ہوگا۔ انہوں نے عرض کی مجھے اس بارے میں علم نہیں۔ پھر شعبان کی رات کو جبریل میرے پاس آئے اور مجھے نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کی تلقین کی۔ میں نے ان کے کہنے کے مطابق نماز پڑھی اور دعا مانگی۔ سویرے پھر میرے پاس جبریل آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے ساری امت آپ کے حوالے کر دی۔ ہاں البتہ مشرک لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ پھر سے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اوپر نظر اٹھا کر دیکھیں۔ جب میں نے اوپر نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ تمام آسمانوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور آسمان دنیا سے عرش تک تمام فرشتے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں اور میری امت کے حق میں بخشش کی دعائیں مانگ رہے ہیں اور ہر آسمان کے دروازے پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو الگ الگ لوگوں کو پکار کر خوشخبری سناتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

پہلے آسمان پر فرشتہ یہ پکارتا ہے

طوبی لمن یرکع فی ھذہ اللیلۃ

یعنی ان لوگوں کے لیے بشارت ہو جو اس رات میں رکوع کرتے ہیں۔

دوسرے آسمان پر فرشتہ پکارتا ہے:

طوبی لمن یسجد فی ھذہ اللیلۃ

یعنی اس رات میں سجدہ کرنے والوں کو بشارت ہو۔

تیسرے آسمان پر فرشتہ یہ ندا کرتا ہے:

طوبی للذاکرین فی ھذہ اللیلۃ

یعنی اس رات میں خدا کی یاد کرنے والوں کو بشارت ہو۔

چوتھے آسمان پر فرشتہ یہ ندا کرتا ہے:

طوبی لمن دعا ربہ فی ھذہ اللیلۃ

یعنی جو اپنے پروردگار کو اس رات میں پکارتے ہیں ان کے لئے بشارت ہو۔

پانچویں آسمان پر فرشتہ یہ ندا کرتا ہے:

طوبی لمن بکی من خشیۃ اللہ تعالیٰ فی ھذہ اللیلۃ

یعنی جو لوگ خدا کے خوف سے اس رات کو آنسو بہاتے ہیں ان کے لیے بشارت ہو۔

چھٹے آسمان پر فرشتہ یہ ندا کرتا ہے:

طوبیٰ لمن عمل خیراً فی ھذہ اللیلۃ

یعنی جو اس رات میں بھلائی کے کام کرتے ہیں ان کے لیے بشارت ہو۔

ساتویں آسمان پر فرشتہ یہ ندا کرتا ہے:

طوبیٰ لمن قرء القرآن فی ھذہ اللیلۃ

یعنی جو اس رات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں ان کے لیے بشارت ہو۔

اور یہ بھی فرشتہ پکارتا ہے۔ ہے کوئی سوال کرنے والا کہ اس کا سوال پورا کیا جائے، ہے کوئی پکارنے والا کہ اس کی پکار سنی جائے، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول کی جائے، ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ اس کو معاف کیا جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ سب کچھ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس مبارک رات کی عزت و عظمت سے اپنے دوستوں کو آگاہ کیا تا کہ وہ اس کی عشت وقدر کر سکیں۔ (زہدۃ الواعظین)

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ایک رات میرے پاس آرام فرما تھے جب اچانک رات کو میری آنکھ کھلی تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضور موجود نہیں۔ میں بے حد پریشان ہوئی اور دل میں یہ خیال آیا کہ حضور شاید کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کو تلاش کرنے کے لیے ازواج مطہرات کے حجروں میں گئی لیکن آپ کو وہاں نہ پایا، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آپ کو تلاش کیا مگر آپ ﷺ وہاں بھی نہ ملے۔ پھر میں بے حد پریشان ہوئی اور مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ آخر اس وقت کہاں تشریف لے گئے کہیں آپ کو کوئی دشمن تکلیف نہ پہنچا دے۔ پھر میرے ساتھ علی، حسن، حسین اور سیدہ فاطمہ یہ سب چل پڑے۔ میں نے ان سب سے کہا آخر آپ ﷺ کو کہاں تلاش کیا جائے۔ سب کی یہ رائے ہوئی کہ پہلے مساجد میں دیکھا جائے، پھر ہم سب نے آنحضرت ﷺ کو مسجدوں میں تلاش کیا لیکن وہاں نہ پایا۔ پھر جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو حضرت علی کی رائے یہ ہوئی کہ آپ ﷺ کو مدینہ منورہ کے قبرستان میں تلاش کیا جائے کیونکہ اس وقت ضرور آپ ﷺ وہیں تشریف لے گئے ہوں گے۔ چنانچہ ہم سب نے وہیں جانے کا ارادہ کیا تا کہ آپ ﷺ کو تلاش کر سکیں۔ پھر جب ہم جا رہے تھے تو دور ہی سے ہمیں نوری شعاعیں دکھائی دیں جن کو دیکھ کر حضرت علی کہنے لگے کہ یہ حضور ﷺ ہی کی شعاعیں ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں پھر جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ سجدے میں پڑے ہیں اور رو رو کر یہ فرما رہے ہیں:

ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو رو کر عرض کی اے ابا جان! آپ کیوں اتنے پریشان اور غمگین ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی بڑی مصیبت آنے والی ہے یا آپ کا کسی بڑے دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے ارشاد فرمایا بیٹی! یہ سب باتیں نہیں بلکہ یہ خیر و برکت والی رات ہے، خدا سے گناہوں کی معافی مانگنے کی رات ہے۔ میں اپنی امت کے حق میں بخشش کی دعا مانگ رہا ہوں اور جب تک میری دعا قبول نہ ہوئی میں کرتا رہوں گا۔ اگر تم میری خوشنودی چاہتے ہو تو سب مل کر دعا مانگو۔ اے علی! تم میری امت کے مردوں کے لئے دعا مانگو۔ اے عائشہ اور فاطمہ! تم میری امت کی عورتوں کے لئے دعا مانگو۔ اے شہزادو تم دونوں میری امت کے بچوں، جوانوں کے حق میں بخشش کی دعا مانگو۔ پھر ہم سب نے حضور ﷺ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے دعا مانگی۔ خدا اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی رضامندی حاصل

کی اور بابرکت رات کو خدا کی یاد میں گزارا۔ (روضۃ العماء)

(۱۱) عبداللہ بن عمر ؓ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وقت ایسے ہیں کہ اگر ان میں دعا مانگی جائے تو وہ رد نہیں ہوتی بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے اور وہ اوقات یہ ہیں:

۱۔ شب جمعہ۔

۲۔ شب عاشورہ۔

۳۔ شب برات۔

۴۔ عید الفطر۔

۵۔ شب عید قربان (کتب حدیث)

بعض بزرگوں کے نزدیک ان راتوں میں رجب کی پہلی رات بھی شامل ہے۔

(۱۲) حضرت ابو ہریرہ ؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس شعبان کی پندرہویں رات حضرت جبریل آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس رات میں آسمانوں کے دروازے اور خدا کی رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، لہٰذا آپ اٹھ کر خدا کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں۔ میں نے ان سے کہا یہ کیسی رات ہے کہ جس میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اس رات میں خدا کی رحمت اور مغفرت کے دروازے لوگوں پر کشادہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ چند بدقسمت لوگوں کے علاوہ باقی سب لوگوں کو اپنے رحم و کرم کی وجہ سے بخش دیتا ہے اور جو لوگ اس کی بخشش سے محروم رہے ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) مشرک۔

(۲) جادوگر۔

(۳) بلاوجہ کسی مسلمان سے عداوت رکھنے والا۔

(۴) کاہن۔

(۵) شرابی۔

(۶) سود خور۔

(۷) والدین کا نافرمان۔

(۸) رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والا۔

(۹) چغلی کھانے والا۔

پھر آپ ﷺ نے اٹھ کر نماز پڑھی اور امت کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آرزو:

کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سیر کر رہے تھے کہ اچانک آپ کو ایک بلند پہاڑ نظر آیا۔ پھر آپ اس کے قریب جا کر اس کی بلند ترین چوٹی پر چڑھ گئے۔ وہاں آپ نے ایک بہت بڑی سفید چٹان دیکھی۔ اس کی خوبصورتی سے متعجب ہو کر اس کے آس پاس گھومنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی۔ اے عیسیٰ! کیا میں تجھے اس سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز بات نہ دکھاؤں۔ انہوں نے عرض کی یا اللہ ضرور دکھائیں پھر آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ چٹان اس وقت دو ٹکڑے ہو گئی اور اس کے اندر سے ایک بوڑھا شخص نکلا جو صوف کی چادر اوڑھے ہوئے عصا کی ٹیک پر کھڑے نماز ادا کر رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ تھا۔ حضرت عیسیٰ یہ سب کچھ دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ فرمایا اے بوڑھے آدمی تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے عرض کی یہ میرا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ مجھے دیتا ہے۔ پھر فرمایا تو کب سے یہاں محو عبادت ہے اس نے کہا چار سو سال سے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ سارا منظر دیکھ چکے تو دربار الٰہی میں التجا کی اے میرے خدا کیا تو نے اس سے بہتر بھی کوئی مخلوق پیدا فرمائی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ جواب ملا۔ اے عیسیٰ! جو شخص میرے پیارے حبیب ﷺ کا امتی ہو اور وہ اپنی زندگی میں شعبان المکرم کی پندرہویں رات میری عبادت میں گزارے تو یقیناً اس کی عبادت میرے اس بندے کی چار سو سال کی عبادت سے بہتر ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے امت مرحومہ کی اس قدر فضیلت سنی تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ کاش! میں بھی امت محمدیہ سے ہوتا تو اس فضل و کرم کو پالیتا۔ (زہرۃ الریاض)

WWW.NAFSEISLAM.COM

بدنصیب افراد:

شعبان المکرّم کی پندرہویں رات میں خدا کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے اور اس کی مغفرت کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ پروردگار پکار پکار کر اپنے بندوں کو اپنے دامن رحمت میں لینا چاہتا ہے۔ پس خوش نصیب لوگ اس رات خدا کی رحمت کو پالیتے ہیں اور بدنصیب اپنی غفلت اور کوتاہیوں کی وجہ سے خدا کی رحمت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل افراد اس رات میں خدا کی رحمت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

(۱) کافر و مشرک۔

(۲) کسی مسلمان سے بلاوجہ بغض و کینہ رکھنے والا۔

(۳) جادوگر۔

(۴) نجومی۔

(۵) بخیل۔

(۶) ماں باپ کا نافرمان۔

(۷) شرابی۔

(۸) رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والا۔

(۹) لواطت کرنے والا اور کرانے والا۔

(۱۰) جلاد جو لوگوں پر ظلم کرتا ہو۔

(۱۱) حکام کا دربان جو لوگوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے۔

(۱۲) جواباز۔

(۱۳) گانے بجانے والا۔

(۱۴) کاہن۔

(۱۵) چغلی کھانے والا۔

(۱۶) عامل جو لوگوں کے صدقات و خیرات وصول کرنے میں زیادتی کرے۔

(۱۷) ہمیشہ بدکاری کرنے والا۔

(۱۸) لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھانے والا۔

(۱۹) بدعت میں مبتلا ہونے والا۔

ہمیشہ یہ بات یاد رکھیں کہ اس بات میں افراد مذکور کی مغفرت اس وقت تک نہ ہوگی جب تک لوگ اپنے ان کاموں سے باز نہ آئیں اور توبہ نہ کریں اور اگر توبہ کرلیں اور خدا سے معافی مانگ لیں تو پھر ان کی بخشش ہوجائے گی۔ اس لئے کہ کتب حدیث میں حضور اکرم ﷺ سے یہ ارشاد منقول ہے کہ "التائب من الذنب کمن لا ذنب" یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اگر بالفرض ان خرابیوں اور گناہوں میں سے اپنے اندر کوئی گناہ پائیں تو فوراً توبہ کریں اور خدا سے معافی مانگیں تاکہ وہ تمہیں اپنے دامن رحمت میں لپیٹ لے اور تمہارے نامہ اعمال کو گناہوں کی سیاہی سے دھوڈالے۔

تجلیات کے ظہور کی "رات" اور اس کی چند خصوصیات:

(۱) یہ انوار و تجلیات اور فیضان و برکات کی رات ہے۔

(۲) اس میں نظام کائنات کے تمام امور کا فیصلہ اور تقسیم ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے مقدس اور باعظمت فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور روحانیت کا انتشار ہوتا ہے۔

(۴) اس میں بندوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور خدا اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(۵) اس رات اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر تجلّی فرماتا ہے اور لوگوں کو ساری رات ندا کرتا ہے۔

(۶) اس رات ایماندار بندوں کی آتش دوزخ سے رہائی ہوتی ہے اور نافرمانوں کو رحمت خداوندی سے مایوسی ہوتی ہے۔

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

(۷) اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف دیکھتا ہے اور اس کے رحم وکرم کا نزول ہوتا ہے۔

(۸) اس رات لوگوں کے اعمال دربارِ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں۔

(۹) یہ رحمت، مغفرت اور محاسبہ نفس کی رات ہے۔

(۱۰) یہ توبہ، ندامت اور ذکر وفکر کی رات ہے۔

(۱۱) یہ تلاوت قرآن اور نوافل پڑھنے کی رات ہے۔

(۱۲) یہ آنسو بہا کر اپنے گناہ بخشوانے کی رات ہے۔

(۱۳) اس رات میں عابد اور معبود کے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔

(۱۴) اس رات میں رحمت خداوندی کے تین سو دروازے بندوں پر کشادہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۵) اس عظیم الشان رات میں سال بھر کے متعلق قضا وقدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے لوح محفوظ سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔

(۱۶) اس رات میں چاہ زمزم میں پانی بڑھا دیا جاتا ہے۔

(۱۷) یہ صرف حلوے کی رات نہیں بلکہ جلوے کی بات ہے (اس میں دونوں کام ہیں)۔

(۱۸) اس رات میں خدا کے فرشتے لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔

(۱۹) یہ زیارت قبور اور مغفرت اموات کی رات ہے۔

(۲۰) اس رات میں رسول اللہ ﷺ نے امت کے حق میں بخشش کی دعا مانگی اور قبرستان میں جا کر مردوں کی زیارت کی۔

اسوۂ رسول ﷺ :

مسلمانوں کے لئے اس بات کا جاننا بے حد ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس ماہ مبارک اور اس کی خصوصی رات میں کیا کرتے تھے۔ ہم ذیل میں اسی بات کو کسی قدر تفصیل سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱) **عن عائشة ان رسول الله ﷺ يصوم شعبان كله و كان يصوم شعبان الا قليلاً الخ** (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۰)

یعنی حضور اکرم ﷺ کبھی شعبان المکرّم کے پورے مہینے کے روزے رکھتے اور کبھی زیادہ دنوں کے رکھتے اور کچھ دن چھوڑ دیتے۔

(۲) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو کسی مہینہ میں شعبان کے مہینہ سے زیادہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا (راوی کا مطلب یہ تھا کہ آپ اس مہینہ میں باقی مہینوں سے زیادہ روزے کیوں رکھتے ہیں) ارشاد فرمایا: یہ مبارک مہینہ ہے اس میں بندوں کے اعمال دربارِ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال خدا کے حضور پیش کئے جائیں تو میرا روزہ ہو۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان میں بکثرت روزے رکھتے تھے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا: ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک مرنے کی اجل اسی مہینہ میں لکھی جاتی ہے، تو میرا روزہ ہو۔ (ترغیب وترہیب)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک رات حضور اکرم ﷺ میری چادر سے باہر نکلے۔ چادر کا تانا بکری کے بالوں کا تھا (یہ اس لئے فرمایا کہ لوگوں کو حضور کی سادہ زندگی اور بے تکلفی کا اندازہ ہو جائے اور نیز چادر زیادہ قیمتی ہونے کا شبہ دور ہو جائے) پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی بے حد ثنا کی۔ میں نے دیکھا آپ کبھی کھڑے ہوتے اور کبھی بیٹھتے تھے یہاں تک کہ صبح ہو گئی پھر اس سے آپ کے دونوں پاؤں متورّم ہو گئے۔ میں ان پر پھونک مارتی تھی اور کہتی تھی یا رسول اللہ ﷺ! آپ تو بخشے ہوئے ہیں پھر اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔ فرمایا عائشہ! کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور یہ شعبان المکرّم کی پندرہویں رات تھی۔ (غنیۃ الطالبین)

(۴) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! تمہارے پاس ماہِ شعبان آنے والا ہے جو بڑی شان اور برکت والا ہے، وہ تسبیح اور تلاوت قرآن کا مہینہ ہے اور دعاؤں کا مہینہ ہے۔ اس میں نیک اعمال خدا کے دربار میں پیش ہوتے ہیں۔ خدا کے رسول ﷺ پر درود بھیجنے کا مہینہ ہے۔ ایک اور روایت میں بواسطہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے اثنائے خطبہ میں فرمایا۔ لوگو! اپنے جسموں کو شعبان کے روزے رکھنے سے ماہ رمضان کے لئے صاف کرو اور جو شخص ماہ شعبان میں تین روزے رکھے تو اس کے گناہ (صغائر) معاف ہو جاتے ہیں۔

(۵) حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص شعبان المکرّم کے تین روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جنتی اونٹ پر سوار

ہونے کی توفیق دے گا۔

ضروری نوٹ: کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو یہ راتیں عبادت میں گزارتے ہیں اور دنیا کے کام دھندے چھوڑ کر اپنے پروردگار کے آستانے پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور پھر اس طرح اپنے مالک حقیقی کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہمیشہ موت اور آخرت کی فکر میں بے چین رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے صدقے ہم پر بھی رحم و کرم فرمائے۔

(۶) عن ام سلمة قالت ما رایت النبی ﷺ یصوم شهرین متتابعین الا شعبان و رمضان الخ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے شعبان اور رمضان کے یعنی حضور ان مہینوں میں لگاتار روزے رکھتے۔ حضور اکرم ﷺ کبھی شعبان کے پورے مہینے میں لگاتار روزے رکھتے اور کبھی کچھ دن ناغہ کرتے۔ اس ماہ مبارک کے روزوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا۔ جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے۔ پس اس سے ماہ شعبان کی فضیلت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے اور اس کی دوسرے مہینوں پر فوقیت اور برتری ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس مبارک مہینہ میں سب سے زیادہ عبادت اور بندگی کر کے سیرت رسول کا نمونہ بن کر دوسروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنیں۔

اسلامی مشاغل:

اس بابرکت رات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے اور کن کاموں سے بچنا چاہیے۔ ہم اوراق ذیل میں اس بارے میں چند چیزیں عرض کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی زندگی کامیاب ہو جائے اور اسلاف کے نقشہ کے مطابق ہو جائے۔

نوافل:

اگر ہو سکے تو اس رات مندرجہ ذیل طریقے سے نوافل پڑھے جائیں اور جو چند مخصوص نوافل بزرگوں سے منقول ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) صلوٰۃ الخیر: یہ سو رکعت نوافل پڑھنے کی ترکیب یوں ہے کہ ہر دو رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص دس دس مرتبہ پڑھی جائے تاکہ کل ہزار ہو جائے بزرگوں نے ان کی بے حد فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ زمخشری نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جو آدمی اس نماز کو ادا کرے تو اللہ تعالیٰ سو فرشتے بھیج دیتا ہے۔ تیس (۳۰) اس کو جنت کی بشارت دیتے ہیں اور تیس (۳۰) اس کو آتش دوزخ سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور تیس (۳۰) اس کو دنیاوی آفات و مصائب سے محفوظ رکھتے ہیں اور دس اس کو شیطان کے مکر و فریب سے بچاتے ہیں (تفسیر جمل جلد چہارم ص ۱۱۶)۔

نیز خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تیس (۳۰) صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں۔ جو کوئی شخص شب برات میں اس نماز کو ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر نگاہیں ڈالتا ہے اور ہر نگاہ میں اس کی ستر حاجتیں پوری کرتا ہے۔

(۲) بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص چار رکعات نوافل اس طریقہ سے پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد اخلاص پچاس مرتبہ پڑھے اور پھر دن کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سالوں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

(۳) صلوٰۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا: یہ آٹھ رکعات نوافل ایک ہی سلام سے پڑھے جاتے ہیں۔ پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھے اور پوری آٹھ رکعات پڑھ لینے کے بعد سلام پھیرے پھر ان کو ثواب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ عالیہ میں پہنچا دے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جنت میں اس وقت تک قدم نہ رکھوں گی جب تک نوافل پڑھنے والے کی شفاعت نہ کرلوں۔ (غنیۃ الطالبین ماثبت بالسنۃ)

(۴) بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ جو کوئی اس ماہ مبارک میں ہر جمعہ کی رات کو چار رکعت نوافل بایں پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تیس تیس (۳۰) بار پڑھے تو اس نماز کے ادا کرنے والے کو ایک حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔

(۵) اکابرین امت فرماتے ہیں کہ شعبان کی ۱۴ تاریخ کو نماز عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے قبلہ رو کھڑے ہو کر چالیس بار **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھنے کے بعد غسل کرے اور دو رکعت تحیۃ الوضو اس ترکیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی ایک بار اور سورہ اخلاص تین تین بار پڑھے پھر آٹھ رکعت نوافل بہ ترکیب ذیل پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک مرتبہ اور سورہ اخلاص پچیس (۲۵) مرتبہ پڑھے، پھر عشاء کے بعد یا نصف رات جس قدر ہو سکیں اور نوافل پڑھے۔

(۶) صلوٰۃ التسبیح: یہ ایک بڑی مشہور نماز ہے۔ دین و دنیا کے مقاصد اور مطالب برآری کے لیے بے حد مجرب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے عم بزرگوار حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی اور ہمیشہ پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ بزرگان دین ہمیشہ اس بابرکت اور پرعظمت نماز کو پڑھتے

رہے ہیں۔لہٰذا نمازی کو چاہیے کہ اس بابرکت رات میں اس بابرکت نماز کو پڑھے اور کسی دین دار عالم سے اس کے پڑھنے کی آسان ترکیب معلوم کرلے۔

(۷) عبداللہ بن مسعود ﷺ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی شب برات میں سو رکعت نوافل بایں ترکیب پڑھے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پانچ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے پانچ ہزار فرشتے پیدا فرمائے گا۔جن میں سے ہر فرشتے کے لئے ایک نوری دفتر ہوگا اور وہ قیامت تک اس کے لئے اجر وثواب لکھتا رہے گا۔لوگو! خدا اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے۔(مشکوۃ الانوار)

(۸) حضرت مجاہد حضرت علی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا کہ جو کوئی اس رات میں سو رکعت نوافل اس ترکیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر بات اور جائز حاجت پوری کرے گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے نیکیاں لکھنے پر مقرر کردے گا اور اس کے گناہ مٹادے گا اور درجات بلند کرے گا اور یہ سلسلہ آئندہ سال تک جاری رہے گا اور فرشتے لاکھوں کی تعداد میں اس کے لئے جنت میں مکانات بنانے اور عمدہ قسم کے پھلدار درخت لگانے پر مامور ہوں گے اور اگر اسی رات اس کا انتقال ہوجائے تو وہ شہیدوں میں شمار ہوگا اور سورہ اخلاص کے ہر حرف کے بدلے اس کو ستر حوریں ملیں گی۔(تفسیر روح البیان جلد پنجم ص ۱۹۳ منقول از کشف الاسرار)

(۹) کہتے ہیں کہ اس رات حضور اکرم ﷺ پر اٹھارہ ہزار جہان منکشف ہوئے جس کے شکریہ میں آنحضرت ﷺ اس رات میں سو رکعت نوافل بعد از نماز عشاء بہ طریقہ ذیل پڑھا کرتے تھے۔ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص دس مرتبہ پڑھتے تھے۔

(۱۰) حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں اس رات کے نوافل کی دو ترکیبیں لکھتے ہیں: ایک یہ کہ سو رکعات نوافل دو دو رکعات کرکے بایں ترکیب پڑھے جائیں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص دو مرتبہ پڑھی جائے۔دوسری ترکیب یہ ہے کہ کل سو رکعت نوافل پڑھے جائیں کہ جن کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص سو بار پڑھی جائے۔

(روح البیان منقول از شیخ افتادہ قدس سرہ)

ضروری نوٹ: شب برات کے نوافل کم سے کم دو رکعت ہیں اوسط درجہ سو رکعت ہیں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص کی تعداد ۳۔۵۔۷۔۱۱۔۲۵۔۱۰۰۔۳۰۰۔۵۰۰ تک ہوتا کہ نوافل کی رکعت میں کم از کم اس کی تعداد ایک ہزار ہوجائے اور نوافل میں تسبیح پر شمار کرنے کی گنجائش ہے اور نیز ان کو جس آسانی سے پڑھ سکتا ہو پڑھے۔اس سلسلہ میں کوئی خاص پابندی نہیں۔

دوز وداثر تجربے:

(۱) بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جو شخص اس رات کسی کاغذ کے ٹکڑے پر تین بار حروف حم لکھ کر چاٹ لے تو اس کو تمام باطنی امراض سے شفا ہوگی۔(یہ بزرگوں کا آزمودہ ہے)۔

(۲) اگر کوئی شخص اس رات سات پتے درخت بیری کے پانی میں جوش دے کر ان سے غسل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمام سال جادو کے اثرات سے محفوظ رکھے گا۔

(۳) اکابرین امت فرماتے ہیں کہ جو شخص اس رات آنکھوں میں سرمہ ڈالے تو اس کی آنکھیں دکھنے سے محفوظ رہیں گی۔

(۴) درود شریف: حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اس رات مجھ پر درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مقبول بندوں میں شمار کرے گا اور اس کو بے انتہا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔(مشکوۃ الانوار)

(۵) **شب برات کی دعا:**

شب برات کی دعا یہ ہے:

اللھم ان کنت کتبت اسمی شقیاً فی دیوان الا مشقیاء فامحہ واکتبنی فی دیوان السداء و ان کنت کتبت اسمی سعیداً فی دیوان السعیداء فاثبتہ فانک قلت فی کتابک الکریم یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتب

''اے اللہ اگر تو نے میرا نام بدبختوں کے دفتر میں لکھ رکھا ہے تو اس کو (اپنے فضل وکرم سے) مٹادے اور نیک بختوں کے دفتر میں لکھ دے اور اگر تو نے میرا نام نیک بختوں کے دفتر میں لکھ رکھا ہے تو اس کو ثابت رکھ، کیونکہ تو نے اپنی بزرگ وبرتر کتاب (قرآن مجید) میں ارشاد فرمایا ہے، اللہ جو چاہے مٹادیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے''۔

(۶) **زیارت قبور:** اس رات قبرستان میں اہل قبور کی زیارت کے لئے جانا سنت ہے۔حضور اکرم ﷺ کے فعل مبارک سے ثابت ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

لہٰذا مسلمانوں کو اس رات قبرستان میں جا کر اہل قبور کی زیارت کرنی چاہیے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔ تاکہ اہل قبور کی زیارت سے مسلمانوں کے دلوں میں نرمی اور فکر آخرت پیدا ہو اور یہ اصلاح حال کے لئے ایک بہترین نسخہ ہے۔

فروغ بدعات: اہل اسلام کے لئے مناسب تو یہ تھا کہ اس رات کی قدر و قیمت پہچانتے ہوئے اسوۂ رسول ﷺ پر عمل کرتے جبکہ بعض مسلمان فضول کاموں میں مبتلا ہو گئے ہیں جن میں ایک بری رسم یہ ہے کہ اس بابرکت رات میں چھوٹے بڑے اپنی زر کو آگ لگانے لگتے ہیں اور بارودی گولے اور پٹاخے چھوڑتے ہوئے اپنی دولت برباد کرتے ہیں۔ یہ رسم واقعی بدعت اور قابل مذمت ہے۔ لہٰذا اس سے کنارہ کش ہونا بڑا ضروری ہے اور بعض کار آموزدہ بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ بری اور قابل نفرت رسم دور ابراہیمی کے ایک ظالم اور جابر بادشاہ نمرود بن کنعان کی ایجاد ہے۔ جبکہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلاوجہ آگ میں ڈالا تو پھر آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان پر باغ و بہار ہو گئی تو ان کے ملازموں اور خدمتگاروں نے آگ کے انار بھر کر حضرت ابراہیم کی طرف پھینکے تاکہ آپ ان سے جل کر خاکستر ہو جائیں۔ مگر دنیا کے مشہور دانشوروں کا مشہور مقولہ ہے کہ جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی مذموم حرکتوں سے بال بال بچا لیا اور بالکل امن اور سلامتی سے بغیر کسی تکلیف کے رہے اور یہ بری رسم اس وقت سے لوگوں میں بکثرت پھیل گئی اور بالآخر ہندوستان کے ہندوؤں نے اس کو اپنا لیا۔ پھر بدقسمتی سے مسلمانوں نے ان سے سیکھ لی اور اپنی دولت برباد کرنی شروع کر دی۔ چنانچہ ہر سال لاکھوں روپیہ اس پر ضائع ہوتا ہے اور لاکھوں جانیں لقمہ اجل بنتی ہیں اور ہزاروں مکانات نذر آتش ہوتے ہیں پس ان ساری تباہیوں اور ہلاکتوں کے باوجود بے شعور مسلمان اس خطرناک کام سے باز نہیں آتے اور نہ دوسروں کو روکتے ہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے ایسے بے عقل لوگوں پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اس فضول اور بری رسم سے خود بھی بچیں اور اپنے تمام لواحقین اور متعلقین کو بھی بچنے کی تلقین کریں اور پورے عزم و استقامت سے اس مذموم رسم کو بند کرنے کی کوشش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم و کرم فرمائے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ آتش بازی کا ساز و سامان بنانا، خریدنا، فروخت کرنا اور پھر اس کو استعمال کرنا یہ سب کام شرعاً حرام ہیں لہٰذا مسلمانوں کو ان سے اجتناب ضروری ہے۔

شب برات کا حلوہ اور اس کے منکرین:

اگر کوئی شخص اس رات ایصال ثواب کے لئے حلوہ پکائے یا کھائے اور دوسروں کو کھلائے تو اسے بدعت کہنا بہت بڑی زیادتی اور بے جا تجاوز ہے اگر اس مقدس رات میں حلوہ پکانا عام ہے تو اس میں حرج کیا ہے۔ ہاں اگر اسے کوئی دینی طور پر ضروری سمجھے اور لازمی قرار دے اور نہ پکانے والے کو مجرم قرار دے تو بے شک یہ بات ناجائز ہے، لیکن یہ کون سمجھتا ہے؟ آپ شاید جانتے ہی ہیں کہ بعض لوگ خواہ مخواہ مسلمانوں پر شرک و بدعت کے فتوے لگایا کرتے ہیں، پس حلوہ پکانے اور کھانے کھلانے پر بدعت کا فتویٰ لگانا ایسے ہی لوگوں کا مشغلہ ہے۔ چنانچہ ان کا ایک شعر مشہور ہے:

ہے شب برات کا حلوہ بالکل حرام
مسلماں کو کیا اس کے کھانے سے کام

WWW.NAFSEISLAM.COM

اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب یوں دیا گیا ہے:

جو شب رات کا حلوہ بھی ناروا ہے
بتاؤ تو اس میں نجس چیز کیا ہے
روا ہے وہ خود جس سے حلوہ بنا ہے
حقیقت میں منہ ہی تمہارا برا ہے
یہ گھی اور میدے کا عمدہ نوالہ
ملے اس کو جو ہوئے تقدیر والا

اور حاجی حق حق نے اس کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

اے منکر نہ اس قدر تلخی میں آ تو
نہ حلوے پہ بدعت کا فتویٰ لگا تو
یہ منہ اپنا حلوے کے لائق بنا تو

محمد ﷺ کی پڑھ نعت اور حلوہ کھا تو
جو بغض محمد ﷺ میں ہر دم جئے ہے
یہ حلوہ بھی بدعت اسی کے لئے ہے

جس منہ سے کبھی نعت محمد ﷺ نہ نکلی ہو اس منہ میں حلوہ کیسے جائے۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ (حوہ خوردن را روئے باید) ان لوگوں کو میٹھے کی اس عداوت کا کڑوا پھل یہ ملا کہ جہاں بھی گئے پھیکے پڑے اور ان تقریروں میں حلوہ دشمنی کے باعث شیرینی اور حلاوت نہ رہی اور تلخی ہی تلخی نظر آنے لگی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر قسم کی تلخی سے بچائے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

شرعی فتویٰ:

حضرات! اب ہم ناظرین کرام کی خدمت عالیہ میں علامہ سید ابوالبرکات حنفی قادری برکاتہ کا وہ بلند پایہ فتویٰ پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اس مبارک رات کے بعض ضروری مسائل کے بارے میں مسلمان بھائیوں کی اصلاح کی خاطر صادر فرمایا ہے۔ امید ہے کہ اہل اسلام اس کو غور و فکر سے پڑھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

عبارت فتویٰ:

شب برات قریب ہے اس رات تمام بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل بطفیل حضور پُرنور یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے، مگر چند وہ مسلمان جو باہم دنیاوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں فرماتا ہے ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔ لہٰذا جملہ مسلمانان اہل سنت و جماعت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ شعبان المکرم باہم ایک دوسرے سے صلح صفائی کرلیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں یا معاف کروائیں کہ باذن تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہو کر بارگاہ رب العزت جلت عظمتہ میں پیش ہوں۔ حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبہ استغفار توبہ صادقہ کافی ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له الخ

ایسی حالت میں باذن تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغفرت تامہ ہے۔ بشرط صحت عقیدہ و هو الغفور الرحیم الخ اور اس فقیر پر سیاہ ناکارہ کے لئے عفو و عافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے اور نہ نفاق پسند ہے۔ صلح اور معافی سب سچے دل سے ہو اور یہ مقدس رات کھیل کود اور اسراف مال یعنی آتش بازی وغیرہ میں ضائع نہ کی جائے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب ''ماثبت بالسنہ'' ص ۲۱۴ بیان فضائل شعبان میں ضمناً تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں جو اس رات بلاضرورت بکثرت چراغ جلاتے ہیں اور آتش بازی وغیرہ لہو و لعب میں مشغول ہوتے ہیں یہ رسم برامکہ کی ہے جو آتش پرست تھے اور بعد اسلام اپنی رسوم پر قائم رہے اور ان کی دیکھا دیکھی تمام مسلمان اس میں مبتلا ہو گئے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں پر لازم اور واجب ہے کہ ہمیشہ خصوصاً اس مقدس رات میں ان بدعات کو مٹا کر عبادت الٰہی اور ایصال ثواب اموات میں مشغول رہیں اور اپنے عزیز بچوں کو آتش بازی کے لئے ایک پیشہ تک نہ دیں کہ اول تو اسراف شرعاً حرام ہے اور ناجائز بھی ہے۔ ثانیاً بسا اوقات ہلاکت نفس کا باعث ہوتا ہے اور یہ عوام میں مشہور ہے کہ اس رات سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور اسی رات سرور کائنات ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا تھا پھر اسی رات آپ نے حلوہ تناول فرمایا تھا بالکل لغو اور بے اصل ہے۔ کیونکہ غزوہ احد باتفاق مؤرخین ساتویں یا گیارہویں شوال المکرم کو واقع ہوا تھا۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ آج حلوہ ہی ضروری ہے، بدعت ہے۔ البتہ یہ سمجھ کر حلوہ اور مطلقاً میٹھی چیز حضور اقدس ﷺ کو محبوب و مرغوب تھی حلوہ پکایا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، ترمذی شریف میں ہے:

کان النبی ﷺ یحب الحلواء و العسل

یعنی حضور اکرم ﷺ حلوہ اور شہد پسند فرماتے تھے خلاصہ یہ کہ یہ رات انعامات الٰہی کی رات ہے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ پھر یہ رات اگر زندہ رہے تو سال بھر کے بعد میسر ہوگی۔ لہٰذا اس شب میں نوافل پڑھیں، دن کو روزہ رکھیں اور دعائے مغفرت اموات اور خیرات و صدقات سے غافل نہ رہیں اور زیادہ تر یہ پڑھتے رہیں۔

اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عنا الخ

اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے معافی کو پسند کرتا ہے پس ہمارے گناہ معاف کردے۔

(قاله بفمه و رقمه بقلمه السيد ابو البركات السنى الحنفى القادرى الرضوى)

آخر میں اہل ذوق حضرات کے لئے وہ بلند پایہ نظم پیش کرتے ہیں جو ضیاء القادری نے اس بابرکت اور پر عظمت رات کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام اسے پڑھ کر خوشی محسوس کریں گے۔

مبارک رات لے کر آج پیغام نجات آئی
نوید اے امت سلطان بطحا شب برات آئی
سمجھ میں اس مسعود کی بابت یہ بات آئی
عبادت کے لئے سب سے جو بہتر ہے وہ رات آئی
نچھاور شام سے انوار کی تا صبح رہتی ہے
پسند اللہ کو تابانی صوم و صلوٰۃ آئی
ہوئی عرش خدا سے رات پھر جلوہ افشانی
نظر انوار رب میں جذب بزم کائنات آئی
اسی شب ہے وہ محمود ساعت بھی کہ سب دنیا
نظر مائل بہ سجدہ پیش رب کائنات آئی
اٹھو مردان شب بیدار، مشغول عبادت ہو
مبارک شب برات آئی مبارک شب آئی
ہوا کرتی ہے اعمال زبوں کی مغفرت جس میں
ضیاء مژدہ کہ شعبان المعظم کی وہ رات آئی

اب ہم اس کتاب کے سابقہ مباحث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے موجودات کی تمام انواع واقسام کو پیدا فرما کر ان میں سے بعض چیزوں کو شرف بخشا۔

(۲) انسان کے لئے وقت قیمتی سرمایہ ہے لہٰذا آدمی کو اس کی قدر کرنی چاہیے۔

(۳) آدمی ہمیشہ مکان وزبان کی شرف وبزرگی سے فائدہ اٹھائے۔

(۴) بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی بندگی میں وقت گزارے اور ہمیشہ اوقات شرف وقرب کا خیال رکھے۔

(۵) موت کو آدمی ہمیشہ یاد رکھے اور جو قدم اٹھائے اس کو زندگی کا آخری قدم سمجھے۔

(۶) ہمیشہ اپنے گناہوں کو یاد کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اپنی نیکیوں کو بھول جائے۔

(۷) صحبت اخیار کو اپنے لئے غنیمت سمجھے اور صحبت اشرار سے پرہیز کرے۔

(۸) دنیا کو فانی جانے اور آخرت کو باقی پس سفر آخرت کی تیاری میں مصروف رہے۔

(۹) آدمی ہمیشہ پاک وصاف ارادے اور خالص نیت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، ہر وقت توبہ اور استغفار کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو اپنے دامن میں چھپالے۔

(۱۰) جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے پیارے حبیب ﷺ پر بکثرت ہدیہ صلوٰۃ وسلام بھیجے کیونکہ ان کے احسانات کا یہی تقاضا ہے۔

(۱۱) شب وروز کائنات میں غور وفکر کرے تاکہ اس کے ذوق معرفت میں اضافہ ہو۔

یہ ہیں گیارہ نکات یا اسباق جو ہم مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ انہیں حرز جان بنالیں تاکہ دونوں جہاں کی سعادتوں سے ہمکنار ہوں۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ اسلام کے سنہری اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق دے اور سنت رسول ﷺ پر چلنے کی ہمت بخشے۔ آمین یارب العالمین

بحرمت حبیبہ النبی الامین و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ و اتباعہ و علی جمیع علماء امتہ و صلحاء ملۃ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

☆☆☆

اسلام میں ریاست اور فرد کا مقام

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان

دوسرا اور آخری حصہ

عام ملازمتوں کے لیے صلاحیت کا معیار

اب جبکہ معلوم ہو چکا کہ رئیس مملکت اور تمام ذمہ دار حکام کا فرض ہے کہ وہ سرکاری خدمات کے لئے افراد کا چناؤ کرتے وقت موجودہ لوگوں میں سے بہتر سے بہتر کو ترجیح دیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کسی شخص کی صلاحیت کا پیمانہ اس کی جسمانی قوت اور امانت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

ان خیر من استاجرت القوی الامین (القصص:26)

''اچھا نوکر وہ ہے جو قوی ہو اور امانت دار بھی ہو''

یہاں پر قوت سے مراد استطاعت و استعداد ہے اور مفوضہ کام کو انجام دینے کی صلاحیت ہے جو کہ ظاہر ہے مختلف شعبوں میں مختلف نوعیت کی ہوگی۔ رہی امانت کی صفت تو اس کا تعلق اپنے فرائض کو اسلامی شریعت کے مطابق پوری خدا ترسی کے ساتھ انجام دینے کے ساتھ ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ انسان لوگوں سے ڈر کر اور ان کو خوش کرنے کے جذبے سے کام نہ کرے، بلکہ اس کے عمل کا محرک صرف خدا کے حضور جواب دہی کا تصور ہو۔

موجودہ زمانے میں عام ملازمتوں کا مسئلہ

یہاں پر یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر اسلامی شریعت عہدے کی طلب کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اگر عام ملازمتوں کے لئے موزوں افراد کا انتخاب حاکم کی ذمہ داری ہے تو موجودہ زمانے میں ان احکام کی پیروی کی عملی صورت کیا ہوگی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک کلیدی ریاستی مناصب مثلاً وزارت، فوج کی سپہ سالاری اور انتظامی اداروں کی سربراہی کا تعلق ہے ان کے بارے میں بے شک رئیس مملکت کا فرض ہے کہ وہ مستحق اور موزوں افراد تلاش کر کے انہیں یہ ذمہ داریاں سونپے اور ایسا کرتے وقت شریعت کے اصولوں اور اس کے دیئے ہوئے معیارِ صلاحیت کو پیشِ نظر رکھے، لیکن جہاں تک دوسری خدمات کا تعلق ہے تو ان کے سلسلے میں ذمہ دار حکام کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ بطور خود موزوں افراد کو تلاش کر سکیں۔ اس کے بجائے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کر دیا جائے، جس میں سرکاری ملازمتوں کے امیدواروں کی ضروری صفات واضح ہوں اور جو لوگ ان کے خواہش مند ہوں انہیں ان کے لئے درخواستیں دینے کی عام اجازت ہو اور ذمہ دار حکام کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ ان درخواستوں پر غور کر کے صلاحیت اور امانت کے اعتبار سے موزوں افراد کا انتخاب کریں اور ہر قسم کے تعلق رشتے اور گروہ بندی کے تعصب سے بالاتر ہو کر فیصلہ کریں اور اپنے اس فیصلے پر کسی دوستی یا دشمنی کو اثر انداز نہ ہونے دیں۔

درحقیقت اقتدار، رئیس مملکت اور اس کے ماتحت حکام کے پاس ایک طرح کی امانت ہے اور ان کا فرض ہے کہ اس امانت کا حق ادا کرتے ہوئے مناصب اہل اور باصلاحیت افراد کو سونپیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہی ہے کہ شریعت کے مقرر کردہ معیار کے مطابق اہل لوگوں کو آگے لایا جائے نہ کہ اپنے رشتے داروں کو ان سے نوازا جائے۔ باصلاحیت افراد کو چھوڑ کر اپنے عزیز و اقارب میں عہدوں اور ملازمتوں کی تقسیم خدا کی امانت میں خیانت اور اسے ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب امانتیں ضائع کی جانے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو''۔ لوگوں نے پوچھا: ''امانتیں ضائع کس طرح ہوتی ہیں؟'' فرمایا: ''جب اقتدار نا اہل کے ہاتھ میں دے دیا جائے (51)''۔

فرد کے عام حقوق

عام حقوق کی تعریف

عام حقوق سے وہ بنیادی حقوق مراد ہیں، جو ایک معاشرے کا رکن ہونے کی حیثیت سے تمام افراد معاشرہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ یہ حقوق ان کی زندگی کے لئے ناگزیر ہیں اور یہ ان کی جان و مال اور آزادی کے تحفظ سے عبارت ہیں (52)۔

ماہرینِ قانون نے ان حقوق کو دو بڑی بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے: (۱) مساوات اور (۲) آزادی۔ پھر جس طرح مساوات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً قانونی مساوات، عدالتی مساوات وغیرہ، اسی طرح آزادی کی نوعیتیں بھی بہت سی ہیں جیسے شخصی آزادی، ملکیت کی آزادی (یا حق) گھر کا احترام، عقیدے اور عبادت کی آزادی اور اظہار رائے اور تعلیم کی آزادی (53)۔

ہماری بحث کا اسلوب

اسلامی شریعت میں فرد کے عام حقوق پر بحث کے دوران ہم نے ماہرینِ قانون کی تقسیم کو پیشِ نظر رکھا ہے تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلام کے تحت افراد کو یہ حقوق کہاں تک حاصل ہوتے ہیں۔ اس غرض کے لئے ہم اس مسئلے پر دو عنوانات کے تحت گفتگو کریں گے:

مساوات

اسلامی شریعت میں مساوات کا مقام

مساوات اسلامی شریعت کا ایک بہت بڑا اصول ہے۔ اسلام اپنی اصل کے اعتبار سے سب انسانوں کو مساوی قرار دیتا ہے اور نیک اعمال اور بھلائی کو ان کے لئے معیارِ فضیلت ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم
(الحجرات:13)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے سے متعارف ہوسکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''۔

سب انسان اپنی اصل کے لحاظ سے برابر ہیں اور انہیں ذاتوں اور قبیلوں میں محض باہمی تعارف اور باہمی تعاون کی خاطر تقسیم کیا گیا ہے۔ اس تقسیم کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنی اپنی نسلی برتری پر فخر کرتے پھریں اور بغاوت اور سرکشی کے مرتکب ہوں اور رنگ، جنس، نسل اور قبیلے کی بنیادوں پر امتیازی سلوک کا مطالبہ کریں۔ اس طرح اسلام نے جاہلی عصبیت اور رنگ و نسل پر تفاخر اور غرور کے فتنے کا قلع قمع کر دیا اور انسانوں کے لئے ایک ایسا معیارِ فضیلت قائم کیا جو اچھے انسانی اوصاف اور نیک اعمال اور اندرونی نیکی اور خدا ترسی کے اوصافِ حمیدہ کا مرکب ہے۔

شریعت میں مساوات کے اصول کی جڑیں بہت گہری پیوست ہیں اور ہمیں اس کے مظاہر شریعت کے بہت سے اصولوں اور احکام میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ہم یہاں پر صرف قانونی اور عدالتی مساوات کا ذکر کریں گے۔

قانونی مساوات

قانونی مساوات، اصول مساوات ہی کا ایک مظہر اور اسلامی عدل کا لازمی تقاضا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون سب کے لئے یکساں طور پر قابلِ احترام ہے۔ اس میں جنس اور رنگ و نسل کی کوئی اہمیت ہے اور نہ محض دولت، رشتے، تعلقات، دوستی اور ہم مذہب ہونے کی بنا پر کسی سے کوئی امتیازی سلوک روا رکھا جا سکتا ہے (54)۔ قانون کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں اور اس کے نزدیک ان امتیازات کی بنا پر کوئی شخص کسی ترجیحی سلوک کا مستحق نہیں، چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ''بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب کوئی بڑا آدمی چوری کا مرتکب ہوتا تھا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے تھے، مگر جب کوئی کمزور اس کا ارتکاب کرتا تھا تو اس کو سزا دے ڈالتے تھے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد چوری کا ارتکاب کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا (55)''۔

قانونی مساوات کی اہمیت

قومی زندگی میں قانونی مساوات کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس سے لوگوں میں اپنے حقوق کی سلامتی اور تحفظ کا احساس زندہ رہتا ہے اور انہیں ریاست کے استحکام اور بقا سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اس کی بقا اور دفاع کے لئے جوش و خروش سے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں لیکن جب یہ قانونی مساوات ختم ہو جائے اور قانون طاقت وروں اور بڑے لوگوں کے سامنے بے بس ہو اور کمزوروں کو دبانا شروع کر دے تو پھر لوگوں میں یاس و ناامیدی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ریاست سے ان کی دلچسپی کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کی بقا یا تباہی و بربادی کا خطرہ بھی ان کے اندر کوئی حرکت و عمل پیدا نہیں کر سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں ظلم و ستم عام ہو جاتا ہے، جس کے بعد حق، حق دار کو نہیں ملتا، لاٹھی والے کا مالِ غنیمت بن جاتا ہے۔ فیصلے کا اختیار قانون کے ہاتھ میں نہیں رہتا، اندھی بہری قوت کے پاس چلا جاتا ہے۔ جب کسی ریاست میں لوگوں کی یہ حالت ہو جائے تو پھر ایسی ریاست کا باقی رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ''ایک کافر مگر عادل ریاست باقی رہ سکتی ہے مگر کوئی ظالم ریاست خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، باقی نہیں رہ سکتی

اسلامی مساوات کی ایک مثال

اسی قانون مساوات کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے زمانہ خلافت میں پیش آیا۔ ایک دفعہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص ؓ کے بیٹے نے ایک قبطی کے ساتھ دوڑ لگائی اور دوڑ میں پیچھے رہ گیا تو اس نے قبطی کو تھپڑ دے مارا۔ اس قبطی نے اس کی شکایت حضرت عمر سے کر دی۔ جس پر آپ ؓ نے حضرت عمرو بن العاص ؓ اور ان کے بیٹے کو اپنے پاس طلب فرمایا۔ جب دونوں آ گئے تو

آپ ﷺ نے قبطی کو بلوایا اور اس سے کہا۔ ''کیا اسی شخص نے تمہیں مارا تھا؟ اس نے جواب دیا: ''ہاں''۔ فرمایا ''تم بھی اسے پیٹو!'' اس پر اس قبطی نے حضرت عمرو بن العاص ﷺ کے بیٹے کو خوب پیٹا۔ جب اپنے دل کا بخار نکال چکا تو حضرت عمر ﷺ نے اس سے کہا: ''معزز باپ کے بیٹے کو کچھ اور مزا چکھاؤ!'' پھر آپ عمرو بن العاص ﷺ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اے عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد انسانوں کی حیثیت سے جنا تھا'' (56)۔

عدالتی مساوات

اسلامی ریاست کے تمام شہری بلا کسی تخصیص عدالتی مساوات کے حق سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی عدالت کے دائرہ عمل سے باہر یا بالاتر نہیں ہو سکتا۔ عدالت میں دعویٰ دائر کرنے، پیشی کے اصول، دعوے کے اثبات کا طریقہ، قانون کا عملی انطباق اور عدالتی احکام کی تنفیذ کے اصول بھی سب شہریوں کے لیے یکساں ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے ان میں کسی قسم کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔ فریقین کے تنازعے کو ٹھیک ٹھیک انصاف کے تقاضوں کے مطابق طے کرنا اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا بھی اسلامی عدالت کا فرض ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دشمن تک اسلامی عدالت کے انصاف اور اس کے اصول مساوات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ (المائدہ:7)

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (النساء:58)

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔

عدالتی مساوات کی انتہا یہ ہے کہ اسلامی عدالت فریقین کے خلاف یا حق میں فیصلہ دیتے ہوئے بھی ان کے درمیان مساوات کے اس اصول کو سامنے رکھتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعری ﷺ کے نام ایک مکتوب میں حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں: ''اپنی مجلس، اپنے سلوک اور اپنی عدالت میں لوگوں کے درمیان مساوات قائم رکھنا، تاکہ کوئی طاقت ور تجھ سے بے انصافی کی توقع کرے اور نہ کوئی کمزور شخص تیرے عدل سے مایوس ہوا (57)۔ یہ مساوات کا اتنا بلند معیار ہے کہ دنیا کے کسی اور نظام میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

شہری آزادیاں

ا۔ شخصی آزادی

ماہرینِ قانون شخصی آزادی کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ اس سے فرد کی ایسی آزادی مراد ہے جس میں اسے نقل و حرکت کی آزادی حاصل ہو۔ اس کی ذات ہر طرح کے ظلم و زیادتی سے محفوظ ہو اور اسے باقاعدہ عدالتی کاروائی کے بغیر نہ گرفتار کیا جا سکے اور نہ اس کی آزادی سلب کی جا سکے اور اسے حسبِ منشاء ریاست کی حدود سے باہر جانے اور واپسی کی مکمل آزادی ہو (58)۔

اسلامی شریعت شخصی آزادی کی ضامن ہے

ماہرینِ قانون نے شخصی آزادی کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی روشنی میں دیکھا جائے تو اسلامی ریاست میں یہ آزادی اپنے وسیع ترین معانی میں ہر شہری کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ فرد پر زیادتی کرنا اس پر ظلم کرنا ہے اور ظلم اسلام کے نزدیک حرام ہے۔ اس سے اسلامی ریاست کی وہ دلچسپی ظاہر ہوتی ہے جو اسے فرد کی جان، مال اور آبرو کے تحفظ سے ہے۔ اسی لئے اسلامی قانون نے انسانی زندگی، مال اور آبرو پر دست درازی کرنے والوں کے لئے عبرت ناک سزائیں مقرر کی ہیں۔ یہ سزائیں ظلم و زیادتی کے مرتکب لوگوں کے لئے ہیں۔ اسی لئے کسی شخص کو اس وقت تک سزائیں نہیں دی جا سکتیں جب تک اس کا جرم باقاعدہ عدالتی کاروائی کے بعد ثابت نہ ہو جائے۔ محض گمان اور شک ان کی عملی تنفیذ کے لئے کافی نہیں اور نہ ان کی بنا پر کسی کو دی جا سکتی ہیں۔ یہ اصولِ شریعت دراصل قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ سزا کا مستحق صرف جرم کا ارتکاب کرنے والا ہے اور اس کے سوا کسی اور کو اس کی سزا نہیں ملنی چاہئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ (الاسراء:170)

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔

جہاں تک نقل و حرکت کی آزادی کا تعلق ہے تو اس کی توثیق خود قرآن کریم کرتا ہے۔ قرآن نہ صرف اس کو جائز قرار دیتا ہے بلکہ عبرت اور

معاش کے حوالے سے باقاعدہ اس کی دعوت بھی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم (یوسف:109)

''کیا یہ لوگ زمین میں کہیں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں''۔

فامشوا فی مناکبها و کلوا من رزقه والیه النشور۔ (الملک:15)

''تو اس (زمین) میں چلو پھرو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ پیو اور یاد رکھو کہ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

اس سے ظاہر ہے کہ نقل و حرکت کی جس آزادی کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے، اسلامی ریاست میں اسے لازماً جائز ہونا چاہئے جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ اسلامی ریاست فرد کی نقل و حرکت کی آزادی کی ضامن ہوتی ہے! البتہ اس کو یہ حق بہر حال حاصل ہے کہ وہ بعض اشخاص کے معاملے میں اس حق کو ایک خاص حد کے اندر محدود کر دے۔ جیسا کہ حضرت عمر ؓ نے کیا تھا اور بعض صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے مدینے سے باہر جانے پر پابندی عائد کر دی تھی تا کہ وہ ہر وقت آپ ؓ کے قریب موجود رہیں اور آپ ؓ ان کے مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں۔

اسلامی ریاست فرد کی عزت و احترام کا تحفظ کرتی ہے

اسلامی ریاست فرد کو جان و مال اور آبرو کا تحفظ ہی نہیں دیتی بلکہ وہ اس کے شخصی تقدس اور احترام کی ضمانت بھی دیتی ہے۔ وہ فرد کی تذلیل اور اہانت کو گوارا نہیں کرتی اور نہ خود کوئی ایسا اقدام کرتی ہے اور نہ کسی اور کو اس کی اجازت دیتی ہے کیونکہ مسلمان ایک معزز و محترم ہستی ہے اور اس کا احترام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وللہ العزة ولرسوله وللمومنین''۔

جو شخص ذلیل اور حقیر ہو اس سے کسی بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اسلام کی دعوت کا علمبردار بن کر وہی شخص کھڑا ہو سکتا ہے جو آزاد ہو، معزز ہو اور باوقار مقام کا حامل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست منشائے الٰہی کے مطابق نقصان پہنچانے والے اسباب کا سدِ باب کرتی ہے، اسی لئے حضرت عمر ؓ اپنے عمال کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو مت مارنا پیٹنا کیونکہ اس طرح تم انہیں ذلیل کرو گے۔ حج کے موقع پر وہ اپنے تمام عمال کا اجتماع کرتے تھے اور پھر لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ: ''اے لوگو! میں نے اپنے عمال کو تم پر اس لئے مقرر نہیں کیا کہ وہ تمہارے مالوں پر قبضہ کر لیں اور تمہیں ماریں پیٹیں بلکہ میں نے انہیں اس لئے مقرر کیا ہے کہ وہ تمہیں ایک دوسرے پر زیادتی سے روکیں اور اموالِ فے کو تمہارے درمیان انصاف سے تقسیم کریں، تو اگر کسی شخص کے ساتھ کوئی اور معاملہ کیا گیا ہو تو وہ کھڑا ہو جائے (59)۔

اسلام فرد کے ذاتی اکرام و تقدس پر اس قدر زور دیتا ہے کہ اگر ریاست اس کا احترام یا لحاظ کرنے میں ناکام ثابت ہو تو بھی مسلمان کسی ذلت اور غلامی کو گوارا نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے عقیدے میں کسی ذلت اور خواری کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ مسلمان خدائے واحد کی توحید کا قائل ہے اس لئے اس کی نظروں میں اس کے رب عظیم کے علاوہ نہ کوئی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور نہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت میں سر جھکایا جائے۔ خدا کے سوا جو کچھ ہے وہ سب خدا کی مخلوق ہے اور اس کے حکم کی پابند۔ اس مخلوق سے ڈرنا اور خوف کھانا جائز ہے اور نہ اس کے آگے سر جھکا کر انسانی شرف کی توہین کرنا روا ہے۔ مسلمان کے تمام معاملات کی باگ ڈور صرف اس خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہے اور اس کے سوا کسی اور کو اس کا حق دار نہیں مانتا، چنانچہ ایک اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد کے لئے اسلام کے منشاء کے مطابق باعزت اور آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرے کیونکہ اسلام فرد کو ایک معزز و محترم ہستی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے اور اس کی تذلیل و تحقیر کو گوارا نہیں کرتا۔

غیر مسلم اور شخصی آزادی

اسلامی ریاست مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کو بھی شخصی آزادی کی ضمانت دیتی ہے کیونکہ اس سلسلے میں فقہاء نے اصول کو یوں بیان کیا ہے: لهم مالنا وعلیهم ما علینا یعنی ان کے حقوق وہی ہیں جو ہمارے حقوق ہیں اور ان کی ذمہ داریاں اور ہماری ذمہ داریاں بھی ایک جیسی ہیں۔

حضرت علی ؓ کہا کرتے تھے کہ غیر مسلموں نے جزیہ اسی لئے دیا ہے کہ ان کے اموال اور خون ہمارے اموال اور خون کی طرح محترم ہو جائیں (60)۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست نے غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی فراخ دلی اور انصاف کا سلوک روا رکھا ہے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے: ''جس نے کسی ذمی کو ایذا دی تو میں اس کے خلاف کھڑا ہوں گا اور جس کے خلاف میں دنیا میں

کھڑا ہوا، قیامت کے روز بھی اس کے خلاف ہوں گا(61)۔

آنحضورﷺ کے انہی ارشادات کی روشنی میں فقہاء نے غیر مسلم رعایا کی جان و مال کی حفاظت اسلامی ریاست کا فرض اور انہیں ایذا دینا حرام قرار دیا ہے۔ مشہور فقیہ القرافی کا قول ہے:

''جس شخص نے ان لوگوں پر یعنی اہل ذمہ پر کوئی زیادتی کی، خواہ یہ کسی برے کلمے کی شکل میں ہو یا ان میں کسی کی غیبت کی صورت میں یا کسی اور طرح کی ایذا کے رنگ میں اور جو شخص اس سلسلے میں کسی کی اعانت کرے تو اس شخص نے اللہ، اس کے رسولﷺ اور اسلام کے دئے ہوئے ذمے کو ضائع کر دیا''۔ اسی طرح امام ابن حزم اپنی مراتب الاجماع میں فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص اسلامی ریاست کے اہل ذمہ میں شامل ہو اور کوئی دشمن ہمارے ملک پر حملہ کر کے اس کو گرفتار کرنا چاہے تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس کی حفاظت کے لئے ہر طرح کے اسلحہ سے لیس ہو کر ان حملہ آوروں کے خلاف لڑیں اور اس کے لئے جانیں دیں، کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ اور اس کے رسولﷺ نے لے رکھا ہے بے شک ایسے شخص کو لڑے بھڑے بغیر اس کے دشمنوں کے حوالے کر دینا ذمہ کے عہد کی خلاف ورزی ہے اور اپنے فرض میں غفلت ہے(62)''۔

2۔عقیدے اور عبادت کی آزادی

دین میں کوئی جبر نہیں

اسلام کسی شخص کو اپنا عقیدہ تبدیل کرنے اور اسلام لانے پر زبردستی مجبور نہیں کرتا البتہ وہ اسے اسلام کی دعوت ضرور دیتا ہے! ظاہر ہے کہ کسی کو اسلام کی جانب بلانا اور اس کے اختیار کرنے پر کسی کو مجبور کرنا دو بالکل مختلف باتیں ہیں۔ پہلی چیز کا اسلام حکم دیتا ہے اور دوسری سے منع کرتا ہے، چنانچہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ادع الی سبیل ربك با لحکمة و المو عظة الحسنة وجا دلهم با لتی هی احسن (النحل:125)

''اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلائیے اور ان کے ساتھ بہترین طریقے سے بحث کیجئے''۔

اور دین کے معاملے میں جبر واکراہ کے متعلق فرمایا گیا ہے:

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (البقرہ:256)

''دین میں کوئی جبر نہیں۔ بے شک ہدایت کو گمراہی سے الگ کر کے واضح کر دیا گیا ہے''۔

اسی لئے اسلامی شریعت کا یہ ایک اصول ہے کہ ان سے اور ان کے دین سے ہم کوئی تعرض نہیں کرتے۔ چنانچہ اسلامی ریاست اپنی غیر مسلم رعایا کے عقیدے اور عبادت کی آزادی میں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی۔ آنحضورﷺ نے اہل نجران کے نام خط میں لکھا:

''اور نجران اور اس کے ملحقہ علاقوں کے لئے ان کے مالوں، مذہب، عبادت گاہوں اور ان کی تمام ملکیتوں کی حفاظت کے لئے اللہ کی پناہ ہے اور محمدﷺ کی طرف سے ذمہ لیا جاتا ہے(63)''۔

یہ اسی تعلیم کا اعجاز ہے کہ ہر زمانے کی اسلامی ریاست میں گرجا گھر اور مندر موجود رہے ہیں اور کسی نے ان کو بُری نیت سے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ عام مسلمانوں نے اور اسلامی ریاست کے ذمہ دار حکام نے کبھی انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ہر زمانے میں ان کی حفاظت کی اور متعلقہ مذاہب کے پیروؤں کے لئے ان میں عبادت کی آسانیاں فراہم کیں۔

عقیدے کی آزادی کا بلند ترین تصور

اسلامی شریعت نے عقیدے کی آزادی کا جس قدر اہتمام کیا ہے اتنا شاید ہی دنیا کے کسی اور نظامِ قانون میں کیا گیا ہو۔ چنانچہ غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی ایک کے مسلمان ہو جانے کے مسئلے میں امام شافعی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے والا اپنے دوسرے ساتھی کے روبرو اس کا اظہار بھی نہ کرے(64)۔ کیونکہ اس طرح کا اظہار اس کے دین کے ساتھ ایک طرح کا تعرض ہے، حالاں کہ ہم نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے وقت یہ عہد کیا تھا کہ ہم اس طرح کا کوئی تعرض نہیں کریں گے(65)۔ گویا امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک مسلمان خاوند یا بیوی کی جانب سے اپنے غیر مسلم بیوی یا خاوند کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اظہار بھی ایک طرح سے اس کے عقیدے میں مداخلت ہے اور اسے اسلام لانے پر مجبور کرنا ہے، چنانچہ وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے دنیا کا کوئی اور نظام ایسا نہیں جس میں عقیدے کی آزادی کا اتنا عظیم الشان اور بلند تصور پیش کیا گیا ہو۔

مرتد کی سزا کا عقیدے کی آزادی سے کوئی تعلق نہیں

اس موقع پر ایک غلط فہمی کو رفع کرنا ضروری ہے جو مرتد کی سزا سے زیر بحث عقیدے کی آزادی کے بارے میں پیدا ہو سکتی ہے۔ مرتد کی

سزا یعنی اس شخص کی سزا جو اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے اور عقیدے کی آزادی جو یہاں زیر بحث ہے دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ جب ایک شخص اسلام قبول کرتا ہے تو وہ گویا اسلامی عقیدے اور احکام کی پابندی کا عہد کرتا ہے۔ اس طرح کے کسی شخص کا دائرہ اسلام سے خروج کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کی پاس داری میں ناکام رہا اور اس نے جان بوجھ کر اسلامی ریاست کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ایسا شخص سزا کا مستحق ہے کیونکہ جیسا کہ قانون کا عام اصول ہے۔ اپنے فرض کی بجا آوری میں کوتاہی کا مرتکب سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

3۔ تخلیہ کی آزادی

اسلامی ریاست میں فرد کو تخلیے کی پوری پوری آزادی حاصل ہوتی ہے اور کوئی شخص اس کی اجازت اور مرضی کے خلاف اس کے مکان میں داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ آدمی کا مکان اس کی ذاتی زندگی کا مرکز اور اس کے خاندان کا مسکن ہوتا ہے اس لئے اس کے گھر میں دست درازی اور مداخلت دراصل اس شخص کی ذات پر ظلم کے مترادف ہے جو کہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ قرآن مجید میں لوگوں کے گھروں میں آنے جانے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

یا ایھا الذین امنوا لا تد خلو ا بیو تا غیر بیوتکم حتی تسا نسو ا ۔ وتسلموا علی اھلھا ذلکم خیر الکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلو ھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعو ا ھو از کی لکم واللہ بما تعملون علیم (النور:27،28)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے''۔

4۔ محنت کی آزادی

شریعت ہاتھ سے محنت کو احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس کے نزدیک ہاتھ کی ہر وہ کمائی جو جائز اور حلال طریقے سے حاصل کی جائے جائز اور حلال ہے۔ حدیث میں آتا ہے: آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''ابنِ آدم نے اپنے ہاتھ کی محنت سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا اور بے شک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔'' چنانچہ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے لئے تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت کی جائز سہولتیں فراہم کرے، مگر وہ کسی سودی یا ایسے کاروبار کی اجازت نہیں دے گی جس میں کوئی اخلاقی قباحت پائی جاتی ہو۔ اگر کسی کام میں معاشرے کے لئے ضرر کا کوئی پہلو موجود ہو تو اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو اس کے اختیار کرنے سے بھی روک سکتی ہے۔ مگر جب ایک شخص شریعت کی منشاء کے مطابق جائز طریقے سے روزی کمانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اسے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ اب اس کی ملکیت قرار پاتا ہے کیونکہ یہ اس کی محنت اور مشقت کا ثمرہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے:

وان لیس للانسان الا ما سعی ۔ (النجم:39)

''اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے''۔

اسلامی ریاست عمال حکومت کو تجارت کرنے سے روک سکتی ہے

اور ریاست کے لئے کسی شخص کو جائز اور مباح کام سے روکنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شرعی مصلحت مقتضی ہو تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اس کی ایک مثال عمالِ حکومت پر وہ پابندی ہے جس کی رو سے انہیں نہ تجارت کی اجازت ہوتی ہے اور نہ کوئی ایسا کام کرنے کی جس میں یہ خدشہ ہو کہ وہ اپنے اختیارات اور اثر و رسوخ سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال کی دولت کا وقتاً فوقتاً احتساب کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر جب ایک عامل نے کہا ''میں نے تجارت کی اور نفع کمایا'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہم نے تمہیں تجارت کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا (66)''۔

ہڑتال کا حق اور اسلامی ریاست

یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب ہر شخص کو اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے کی آزادی ہے تو اسے لازماً یہ حق بھی حاصل ہونا چاہئے کہ جب چاہے اپنا کام چھوڑ دے یعنی ہڑتال کر دے۔ لیکن چونکہ اس حق یعنی ہڑتال کا تعلق براہِ راست عمومی بہبود سے ہے اس لیے یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کے نتیجے میں مصلحتِ عامہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اہلِ صنعت و حرفت اپنا کام بند کر دیں اور لوگوں

میں ان کی مصنوعات کی طلب واحتیاج موجود ہوتو حکمران ان کو اجرت مثل کے عوض کام کرنے پر مجبور کرسکتا ہے(67)۔اسی لئے ہمارے نزدیک اسلامی ریاست میں مزدوروں کی کسی عام ہڑتال کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کی ہڑتال سے پیداوار میں اضافہ رک جاتا ہے اور اس سے مصالح عامہ کو نقصان پہنچتا ہے۔اس کے جواب میں اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ ہڑتال مزدوروں کے ہاتھ میں حصولِ انصاف کا ایک ذریعہ ہے اور اس کے ذریعے سے وہ منصفانہ اجرتیں حاصل کرسکتے ہیں تو ہم یہ جواب دیں گے کہ اسلامی ریاست میں اس کی بھی کوئی ضرورت ہے اور نہ گنجائش، کیونکہ عدل کا قیام جس میں مزدوروں کی منصفانہ اجرتیں بھی شامل ہیں، خود اسلامی ریاست کا فرضِ اولین ہے۔اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ مزدوروں کو مناسب اور منصفانہ اجرتیں دلوائے خواہ وہ مزدور اس کے کسی محکمے کے ملازم ہوں یا اس کے احاطہ اختیار میں کسی پرائیویٹ ملازمت سے منسلک ہوں۔ان سب مزدوروں کو بلا کسی تخصیص کے عادلانہ مزدوری ملنی چاہئے۔اگر کوئی آجر انہیں منصفانہ اجرت دینے سے انکار کرے تو اسلامی ریاست خود مداخلت کر کے انہیں مجبور کرے گی کہ وہ مزدوروں کو مناسب معاوضہ ادا کریں تاکہ اجرتوں کا ایک عادلانہ معیار بروئے کار لایا جاسکے۔جس کے بعد نہ مزدور کو نقصان کا اندیشہ رہے اور نہ مالک کو۔اس طرح نہ صرف معاشرتی مسائل حل ہوجاتے ہیں بلکہ معاشرہ ہنگاموں، انتشار اور تباہی و بربادی کے خطرے سے بھی بچ جاتا ہے۔

5۔ملکیت کی آزادی

شریعت ملکیت کے حق کو تسلیم کرتی ہے

اسلامی شریعت کے نزدیک فرد کو نہ صرف ملکیت کا حق حاصل ہے بلکہ وہ اپنی ملکیت میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار بھی رکھتا ہے۔شریعت فرد کے اس حقِ ملکیت کا احترام کرتی ہے اور دوسروں کو اس کا احترام کرنا سکھاتی ہے اور اس کے خلاف ہر طرح کی دست درازی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کرتی ہے۔اسی لئے اس نے ان کے مرتکبین کے لئے عبرت ناک سزائیں مقرر کی ہیں۔

ملکیت کی حدود

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا شریعت فرد کے حقِ ملکیت کو تسلیم کر کے اسے اس میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار دیتی ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی وہ یہ قید بھی لگاتی ہے کہ ملکیت جائز ذریعے سے حاصل کی جائے اور اگر اس میں کوئی اضافہ ہوتو وہ بھی صحیح رستے سے ہو اور اگر یہ خرچ ہوتو بھی جائز کاموں پر اور اگر اس میں دوسروں کے حقوق ہوں تو وہ ادا کیے جائیں۔گویا شریعت فرد کو ملکیت کا جو حق عطا کرتی ہے وہ حق کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔جہاں تک ملکیت میں اضافے کا تعلق ہے اور وراثت، وصیت اور دوسرے مختلف النوع جائز کاموں کے نتیجے میں آدمی کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ سب جائز اور حلال ہے مگر چوری، لوٹ مار، جوا، رشوت اور سود وغیرہ سے، جنہیں شریعت حرام قرار دیتی ہے، جو ملکیت حاصل ہوتی ہے اسے شریعت جائز تسلیم نہیں کرتی۔

کیونکہ اس کے حصول کے یہ سارے ذرائع ناجائز ہیں۔اس کے برعکس جس شخص نے شریعت کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے اور جائز طریقے سے کوئی ملکیت بنائی ہو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس دولت کو شریعت کے مطابق جائز رستے میں خرچ کرے اور اگر اس میں اضافہ کرے تو بھی کوئی خلاف شریعت طریقہ نہ اپنائے۔اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دھوکے، ملاوٹ، سود اور ذخیرہ اندوزی جیسے مذموم ذرائع سے زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی کوشش کرے۔یہ سب چیزیں خلافِ شریعت ہیں اور اس کے اخلاق کے لئے تباہ کن، مگر انفرادی حقِ ملکیت کے اس سارے احترام کے باوجود اگر کسی ضرورت یا شرعی مصلحت کا تقاضا ہوتو مالک کو منصفانہ معاوضہ دے کر سلب بھی کیا جاسکتا ہے۔

باقی رہے وہ حقوق جو شریعت نے انفرادی ملکیت میں رکھے ہیں تو وہ بہت سے ہیں۔اعزہ واقارب اور محتاجوں کی امداد اور زکوٰۃ وغیرہ ایسے ہی حقوق ہیں۔اگر زکوٰۃ سے جمع ہونے والی رقم غریبوں اور محتاجوں کے لئے ناکافی ہوتو اس کمی کو پورا کرنا بھی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور یہ جیسا کہ ہم بعد میں عرض کریں گے، امدادِ باہمی کے اصولوں پر مبنی اسلامی معاشرے کی اہم خصوصیت ہے۔

6۔آزادی اظہار رائے

شریعت میں آزادی اظہار کی اہمیت

فرد کے آزادی اظہار کے حق کو اسلامی ریاست میں انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ریاست کو اس پر قدغن بٹھانے کا کوئی حق ہے اور نہ فرد کو اس سے دست بردار ہونے کا کوئی اختیار۔کیونکہ یہ فکری اور انسانی زندگی کے لئے ضروری شرط ہے اور ایک مسلمان کے لئے اسلام کے عائد کردہ فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے۔اس کے بغیر وہ اپنے اسلامی فرائض کو پورا نہیں کرسکتا۔مثال کے طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک اہم اسلامی فریضہ ہے جس کی انجام دہی کے لئے آزادی رائے کا پایا جانا ضروری ہے۔امر بالمعروف ونہی

عن المنکر کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے:

والعصر ۔ان الانسان لفی خسر الاالذین امنوا وعملوالصالحات وتواصوا بالحق وتوصوا بالصبر ،(العصر:1 تا3)

''زمانہ گواہ ہے کہ آدمی گھاٹے میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور بھلائیاں کیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی''۔

والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر (التوبۃ:71)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں''۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر (آل عمران:104)

''اور تم میں ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے''۔

اور حدیث میں اس کے متعلق آتا ہے:

''تم میں سے اگر کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے (یعنی بزور) روک دے، اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو، تو زبان سے اسے روکے۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے''

ظاہر ہے کہ حکمرانوں کے احتساب، ان کی خیر خواہی اور ان کے اعمال پر تنقید کرنے کے لئے فرد کو رائے کی آزادی کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ اس کی عدم موجوگی میں وہ اپنا یہ اسلامی فرض پورا نہیں کر سکتا۔

اسی طرح شورائیت کے اصول، ملت کے حق انتخاب اور اس سلسلے میں پیدا ہونے والے مسائل سے نمٹنے کے لئے اسلام نے جو اصول وضع کیے ہیں اور جو نظام دیا ہے، ان کے لئے بھی آزادی اظہار رائے ناگزیر ضرورت ہے کیونکہ آزادی رائے کے بغیر شوریٰ بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ ایک طرف شورائیت کے اصول پر زور دینا اور دوسری طرف افراد کو آزادی رائے کا حق دینے سے انکار کرنا فضول سی اور لایعنی بات ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کے حکمران افراد کو آزادی رائے کی باقاعدہ تربیت دیتے ہیں اور اگر وہ اس میں کوتاہی کریں تو انہیں توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت عمر ؓ سے کہا: اے عمر! اللہ سے ڈر! آپ ؓ نے جواب دیا: ''اگر تم یہ نہ کہو (یعنی ہم کو نہ ٹوکو) تو تم میں کوئی خوبی نہیں اور ہم میں کوئی خوبی نہیں اگر ہم اس کو سننے سے انکار کریں''۔ ظاہر ہے کہ ''اتق اللہ'' یعنی اللہ سے ڈرنے کی نصیحت امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کی ایک صورت ہے، جس کے لئے آزادی رائے کا ہونا ضروری ہے۔

آزادی رائے کے لئے جرأت وشجاعت بھی ضروری ہے

مگر آزادی رائے کے حق کا محض قانونی اعتراف ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے شہریوں کے اندر جرأت اور شجاعت اور طاقتور کے ڈر سے بے خوفی بھی ضروری ہے کیونکہ خوف اور بزدلی کی موجودگی میں کوئی شخص اپنی صحیح رائے کا اظہار کر ہی نہیں سکتا۔ اگر ساری قوم کی یہ حالت ہو جائے تو یہ اس کی ہلاکت کی نشانی اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے محرومی کی دلیل ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میری امت کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ ظالم کو ظالم کہتے بھی ڈرے تو اس سے اللہ کی حفاظت اٹھالی جاتی ہے''۔

ایک مسلمان کی بے خوفی، جرأت اور بہادری کا راز اس کے دل کی گہرائیوں میں توحید خالص کے عقیدے کی موجودگی ہے۔ اس کے مفہوم کو ذہن میں مستحضر رکھنے سے اسے تقویت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان کا دل اور دماغ مطمئن ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور نفع یا نقصان پر قادر نہیں، کیوں کہ سب اس کے محتاج ہیں، غلام ہیں اور کمزور ہیں۔ یہ نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں۔ جب وہ جان لیتا ہے کہ رئیس مملکت اور اس کے حکام بھی اس کی طرح خدا کے بندے ہیں اور اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ جب یہ عقیدہ اور تصور انسان کے دل ودماغ میں جڑ پکڑ لیتا ہے تو پھر وہ اپنی سچی رائے کے اظہار میں کبھی نہیں ہچکچاتا اور نہ حکام کے سامنے سچ کہنے سے ڈرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اللہ ان سب سے بڑا ہے۔ ان سے بالاتر ہے۔ زندگی یا موت اور رزق بھی اسی کے ہاتھ میں ہے کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔

آزادی رائے کی حدود

اسلام جس آزادی رائے کو تسلیم کرتا ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ مقید ہے اور اسے بعض قیود کے دائرے کے اندر رہ کر ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے پہلی شرط وہی عام شرط ہے جو اسلامی معاشرے میں ہر حق کے استعمال کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور یہ ہے نیت کی پاکیزگی اور خلوص کی شرط کیونکہ اس حق کے استعمال کی غرض وغائت خداوند کریم کی رضا وخوشنودی کا حصول ہے اور اس کا مدعا ومنشاء پورے معاشرے کو

فائدہ پہنچانا ہے اور اس کی روح اسلام، مسلمان حکمرانوں اور عوام کی خیر خواہی ہے۔

دوسری شرط جو دراصل پہلی شرط کے نتیجے میں سامنے آتی ہے یہ ہے کہ آزادی رائے کا مطلب اپنی ذات کی نمائش اور تکبر کا اظہار نہیں ہے اور نہ یہ دوسروں کے عیب گنوانے اور ان کی تشہیر کرنے کا نام ہے۔ اس کا مفہوم دولت یا عہدے کا حصول بھی نہیں ہے۔

تیسری شرط جس کے ساتھ آزادی رائے کا حق مشروط ہے، اسلامی اصولوں اور عقائد کا احترام ہے۔ اسلام کسی شخص کو آزادی رائے کی آڑ میں اسلام، اللہ کے رسول ﷺ یا اسلامی نظریہ کے بارے میں زبان درازی کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی مسلمان اس جرم کا مرتکب ہو تو وہ مرتد اور لہٰذا سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ آزادی رائے کی دلیل پیش کر کے وہ اپنے ارتداد کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ فرد اسلامی اخلاقیات کی حدود کے اندر بات کرے۔ چنانچہ اسلام کسی انسان کو دوسروں کی آبروؤں سے کھیلنے یا انہیں دشنام طرازی کا تختۂ مشق بنانے کی اجازت دینے کا روادار نہیں۔ آزادی رائے کے نام پر وہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کے بھی خلاف ہے کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ جب رائے کی آزادی معاشرے کو نقصان پہنچانے یا فساد پھیلانے کا ذریعہ بن جائے تو وہاں پر اس کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔

آزادی رائے اور ریاست دشمنی

ملک کے ہر شہری کو ریاستی امور اور حکمرانوں کے فیصلوں پر اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ اگر وہ ان کو نقصان دہ سمجھتا ہو تو وہ ان پر تنقید کر سکتا ہے، مگر کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے لڑائی چھیڑ دے اور اس طرح معاشرے میں فساد مچاتا پھرے۔ اگر فرد اس حد فاصل سے تجاوز نہ کرے اور معاشرے میں کسی فساد کا باعث نہ بنے اور نہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو ریاست اس کو کچھ نہیں کہے گی۔ نہ اس کے خلاف قوت استعمال کرے گی۔ بہر حال یہ وہ حد فاصل ہے جس تک ایک شخص ریاست اور حکمرانوں کے اعمال و افعال پر تنقید کرتے ہوئے جا سکتا ہے۔ اس سے تجاوز اس کے لئے جائز نہیں۔ اس بات کو حضرت علی ؓ نے خوارج کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے بیان کیا ہے۔ خوارج اور ان کے عقائد سے کون ناواقف ہے، مگر اس کے باوجود حضرت علی ؓ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''جب تک یہ لوگ فساد پھیلانے سے باز رہیں گے۔ ہم ان کے خلاف کوئی جنگ نہیں چھیڑیں گے (68)۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست اپنے سے مخالف رائے رکھنے والوں کو نہ جلا وطن کرتی ہے اور نہ ان کے خلاف مسلح قوت استعمال کرتی ہے بشرطیکہ یہ لوگ اپنی رائے کو دوسروں پر زبردستی مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایسے لوگوں کی خیر خواہی کے تقاضے کے تحت البتہ ریاست ان پر ان کی رائے کی غلطی کو واضح کرنے کی کوشش ضرور کرتی ہے۔

ابی یعلی خوارج کے متعلق اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں:

''اگر وہ اپنے عقائد کا اظہار کریں اور عام مسلمانوں سے ان کا میل جول ہو تو امام کو چاہئے کہ وہ ان کے عقیدے کی خرابی اور ان کی بدعتوں کا باطل ہونا ان پر واضح کرے تا کہ وہ عقیدہ حق کی طرف لوٹ آئیں اور مسلمانوں کی جماعت سے موافقت پیدا کر سکیں (69)''۔

7۔ حصول علم کا حق

اسلام میں علم کی اہمیت

اسلام نے علم اور علماء کو بہت اونچا مقام دیا ہے اور انسان کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے علم میں اضافے کی مسلسل دعا مانگتا رہے۔

وقل رب زدنی علما

''اور کہہ میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما''۔

یہی نہیں بلکہ علم اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال کی مقبولیت کی بھی ضروری شرط ہے، کیونکہ عمل وہی مقبول ہوتا ہے جو پورے اخلاص نیت سے محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اور جو شریعت کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے۔

پھر علم کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علم ہے جس کا حصول ہر شخص پر فرض ہے مثلاً عبادات کا علم، جو ہر شخص پر فرض ہے اور یہ علم ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے۔ علم کی دوسری قسم فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا تعلق ان پیشوں یا کاموں یا صنعت و حرفت اور معیشت و سیاست مثلاً حکام کے تقرر و تنزل کے طریقے اور اس طرح کے دیگر امور سے ہے۔ جن کا علم اور موجودگی بحیثیت مجموعی امت کی دنیاوی اور دنیوی اصلاح اور فلاح کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ حیاتِ انسانی کے مختلف دوائر سے تعلق رکھنے والے وہ تمام علوم و فنون جو امت کی زندگی کے لئے ناگزیر ہوں۔ حاصل کرنا امت کے افراد کے لئے فرض کفایہ کے درجے میں ہیں کہ اگر ان میں سے کچھ لوگ انہیں حاصل کر لیں، تو سب کا فرض ادا ہو جائے گا ورنہ سب گنہ گار ہوں گے۔ اس صورتِ حال کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے لئے حصولِ علم کی تمام ممکن

سہولتیں فراہم کی جائیں۔ کیونکہ جو لوگ ان کے لئے کوشاں ہوتے ہیں وہ دراصل پوری امت کی جانب سے ایک فریضے کی ادائیگی میں مصروف ہوتے ہیں اس لئے امت کا فرض ہے کہ ان کی مدد کرے۔ اس مقصد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کفائی علوم کے حصول کے لئے تمام شہریوں کو مساوی اور یکساں مواقع مہیا کیے جائیں اور ریاست کی جانب سے ان سب کی امداد و اعانت کی جائے۔

آنحضور ﷺ کے اسوہ حسنہ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اپنے شہریوں کے لئے حصولِ علم کی سہولتیں مہیا کرنا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ چنانچہ سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ (سونا) مقرر ہوا تھا جس میں اس کے ادا کرنے کی استطاعت نہ تھی اس نے دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امت کے افراد کے لئے تعلیم کا انتظام کرنا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔

8۔ فرد کی ریاستی کفالت

حقِ کفالت کا منشاء اور اس کی اساس

فرد کے اس حق کا مقصود یہ ہے کہ فرد کو ریاست کی جانب سے اس بات کی ضمانت حاصل ہو کہ ضرورت اور احتیاج کے موقعہ پر ریاست خود آگے بڑھ کر اس کی امداد کرے گی۔ گویا ایک اسلامی ریاست میں یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کا کوئی شہری ضروریاتِ زندگی کے ہاتھوں پریشان و بدحال ہو اور کوئی اس کا پرسانِ حال نہ ہو۔

اس حق کی اساس اس نظریے پر استوار ہے کہ اسلامی معاشرہ دراصل امدادِ باہمی پر مبنی معاشرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے:

وتعاونوا علی البر والتقوی و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان

''اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو''۔

چنانچہ اگر ایک مالدار مسلمان اپنے کسی غریب بھائی کی کوئی امداد کرتا ہے یا اس کی کوئی ضرورت پوری کرتا ہے تو یہ بھی اسی جذبہ وتعاون کا ایک مظہر ہے جس کی تاکید اس آیت میں کی گئی ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے (70):

''جس کے پاس کوئی زائد سواری ہو وہ یہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کسی کے پاس زائد زادِ راہ ہو وہ اس کو جس کے پاس نہیں ہے، دے دے''۔

اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

''جس کسی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو بھی شریک کر لے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے شخص کو بھی ہمراہ لیتا جائے (71)''۔

چونکہ اسلامی ریاست بھی اسلامی معاشرے کی مانند ہوتی ہے اور اس کی نمائندگی کرتی ہے اس لئے ان احادیث میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان پر عمل کرنا اس کے لئے بھی ضروری ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ محتاجوں اور غریبوں کی کفالت کرے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اپنے شہریوں کی کفالت اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی مسلمان مرجائے اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے اور اگر کوئی قرضہ یا بے سہارا وارث چھوڑ کر مرے تو میرے پاس آئے میں اس کا ذمہ دار ہوں''۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں: اس حدیث میں (قرضہ کے ساتھ) ضیاع (یعنی نقصان یا بوجھ) کا جو لفظ آیا ہے خطابی کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرنے والے کے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کے لئے مصدر (ضیاع) استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ مرنے والا جن لوگوں کو چھوڑ کر مرا، وہ ذوی ضیاع بے سہارا لوگ ہیں یعنی ان کے پاس گزر بسر کے لئے کوئی سامان موجود نہیں ہے اور اس امر میں کہ کیا رسول اللہ ﷺ قرض داروں کے قرض بیت المال میں سے ادا کرتے تھے یا اپنے ذاتی مال میں سے، اختلاف ہے۔۔۔ بہرحال یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس معاملے میں آپ کا مقررہ طریقہ یہی ہے کہ ایسے قرضے بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام حاجت مند اور مقروض اور مستحق لوگ جن کے پاس اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کوئی سامان موجود نہ ہو ان کی حاجتیں سرکاری خزانے یعنی بیت المال سے پوری کی جائیں گی۔

ایک اور موقع پر آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص حکمران ہے اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حاکم لوگوں پر حکمران ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''علماء کے نزدیک

حکمران اپنے ماتحت تمام لوگوں اور کاموں کا محافظ اور امین ہوتا ہے اور ان کی بہتری کی کوشش کرنا اس کے لئے لازم ہے، یعنی اس کی نگرانی میں جو لوگ ہوں ان کے درمیان عدل کا قیام اور ان کے دینی، دنیاوی اور ایسے ہی دوسرے امور کی بہتری کی کوشش اس کے لیے ضروری ہے(72)۔اب یہ ظاہر ہے کہ افراد کی دنیاوی بہبود میں ان کی مادی ضروریات کا پورا کرنا بھی شامل ہے خصوصاً جبکہ وہ خود اپنے ذرائع سے انہیں پورا کرنے سے قاصر ہوں۔لوگوں کی مادی ضروریات کی فراہمی اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی راہ بھی ان کے لئے آسان ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر انسان کی یہ بنیادی احتیاجات پوری نہ ہوں تو وہ اللہ کی عبادت بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتا، بلکہ اپنی مادی ضروریات فراہم کرنے کے چکر ہی میں پڑا رہتا ہے۔

اجتماعی کفالت کے اسلامی ادارے

فرد کی اجتماعی کفالت کے لئے شریعت نے تعلیم و تنظیم کا ایک پورا نظام قائم کیا ہے۔اگر اس کے باوجود کسی فرد کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں، تو پھر ریاست سامنے آتی ہے، جو ضرورت و احتیاج کے تمام مواقع پر فرد کی کفالت و دست گیری اپنے ذمے لے لیتی ہے۔شریعت نے افراد کی کفالت کا جو نظام قائم کیا ہے۔اس کا ایک مختصر سا نقشہ یہ ہے:

1۔ ہر شخص کو اپنی روزی خود کمانی چاہیے

واقعہ یہ ہے کہ اصولی لحاظ سے ہر شخص کی کمائی اس کی ضروریات کے لئے کافی ہونی چاہیے۔تاکہ اسے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا ہی نہ پڑے۔کیونکہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔دوسروں کو دینا، ان سے لینے سے افضل ہے۔مگر آدمی دوسروں کو اسی حالت میں کچھ دے سکتا ہے جب اس کے اپنے پاس دینے کے لئے کچھ ہو، اس کے لئے محنت اور کام کرنا ضروری ہے۔چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے" اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے اور پہاڑ پر چلا جائے اور وہاں سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی پیٹھ پر لاد لائے اور اس سے اپنی روزی کمائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتا پھرے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے ہاتھ پاؤں سلامت ہوں اور وہ اپنی روزی کما سکتا ہو تو اس کے لئے لوگوں یا ایسی ہی کسی اور طاقت یعنی ریاست کے سامنے امداد کے لئے ہاتھ پھیلانا کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔

2۔ ریاست افراد کے لئے رزق حلال کے مواقع فراہم کرتی ہے

شریعت کی نگاہ میں محنت اور مشقت کے پسندیدہ اور سوال کرنے کے ناپسندیدہ اور ممنوع ہونے کا ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست شریعت کے پسندیدہ افعال کو فروغ دینے اور اس کے ناپسندیدہ اعمال کو ختم کرنے اور مٹانے کی کوشش کرے، چنانچہ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ افراد کے لئے محنت اور مشقت اور کمائی کے جائز ذرائع اور مواقع فراہم کرے۔یہ اس کے شہریوں کا اس پر حق ہے اور ریاست کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے بے روزگار شہریوں کو روزگار مہیا کرنے کے لئے نفع بخش کاروبار کے منصوبے بنائے اور سرکاری روپے کو فضول اور غیر نفع بخش کاموں میں ضائع نہ کرے۔لوگوں کو روزگار کی فراہمی کے بعد اگر روپیہ بچ رہے تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ شہریوں کے قرض بیت المال سے ادا کرے، کیونکہ کسی سے قرض لینا بالکل جائز ہے اور یہ افضل ترین صدقہ ہے۔اس کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور و معروف ساتھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اگر خراجی زمینوں کا مالک اپنی غربت کی وجہ سے ان میں کاشت نہ کر سکے تو اسے بیت المال سے قرض دیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اس کی مدد سے اپنی زمین کو آباد کر سکے(73)"۔

3۔ نان نفقہ کا حق

اگر کسی شخص کو روزگار نہ ملے یا روزگار ملتا ہو مگر وہ معذور ہو تو اس کے قریبی مالدار رشتے داروں کا فرض ہے کہ وہ اس کی مالی اعانت کریں کیونکہ شریعت چاہتی ہے کہ غریبوں اور محتاجوں کی احتیاج ان کے خاندان کے دائرے ہی میں پوری ہو جائے۔چنانچہ وہ اہل خاندان اور عزیز رشتہ داروں کا فرض قرار دیتی ہے کہ اگر ان کے خاندان میں سے کسی کو اس قسم کی صورت حال پیش آ جائے تو وہ محض احسان کے طور پر نہیں بلکہ اپنا دینی فریضہ سمجھ کر اس کا تدارک کرنے کی کوشش کریں اور اس کی اعانت کریں۔

4۔ زکوٰۃ

اگر کوئی شخص معذور ہو، اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور نہ اس کا کوئی عزیز رشتہ دار ایسا ہو جو اس کی امداد و اعانت پر آمادہ ہو تو زکوٰۃ سے جمع ہونے والے روپے سے اس کی مدد کی جا سکتی ہے کیونکہ زکوٰۃ دراصل ہے ہی امیروں کی دولت میں غریبوں کے حصے کا نام، اس کا صحیح

طریقہ یہ ہے کہ ریاست زکوٰۃ کا روپیہ وصول کرتی ہے اور پھر مستحقین تک اسے پہنچاتی ہے۔ زکوٰۃ کی رقم کسی غیر مستحق کو دینا جائز نہیں ہے، اس لئے ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ کا روپیہ جمع کرے اور اسے اس کے مستحقین تک پہنچانے کا خاطر خواہ انتظام کرے۔

زکوٰۃ غریبوں کی اجتماعی کفالت کی عام ضمانت ہے۔ اگر ضرورت ہو تو اس کی وصولی کی خاطر ریاست قوت بھی استعمال کر سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف کی تھی۔ زکوٰۃ اصل سرمائے، اس کے نفع اور ہر قسم کے دیگر اموال مثلاً نقدی، جائداد، حیوانات، کھیتیوں اور کانوں وغیرہ پر لی جاتی ہے اور اس سے اتنی بڑی رقم اکٹھی ہو سکتی ہے کہ اس کی موجودگی میں ملک میں کوئی شخص مفلوک الحال نہیں رہ سکتا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر عراق میں زکوٰۃ کی رقم جمع کی جائے تو اس سے کئی لاکھ دینار سالانہ اکٹھے ہو سکتے ہیں اور اس سے ہر قسم کے محتاجوں اور مستحق لوگوں کی ضروریات پوری کی جا سکتی ہیں (74)۔

5۔ سرکاری خزانے سے حاجت مندوں کی کفالت

اگر متذکرہ بالا اداروں اور انتظام سے بھی ملک کے مستحق اور محتاج لوگوں کی ضروریات پوری نہ ہوں تو ان کی کفالت اسلامی ریاست اپنے ذمے لے لیتی ہے۔ جو دراصل اس جذبہ تعاون ہی کا ایک فطری نتیجہ ہے جو اسلامی معاشرے کے افراد میں کارفرما ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ایسے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں بیت المال سے پوری کی جاتی ہیں۔ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''اور اگر محتاجوں کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ ناکافی ہو تو انہیں بیت المال سے دیا جائے گا اور میری رائے میں دوسرے اخراجات کے مقابلے میں انہیں ترجیح دی جائے گی (75)۔ اگر اسلامی ریاست کسی حاجت مند کی حاجت پوری نہ کرے تو ایسا شخص ریاست کے خلاف دعویٰ دائر کر سکتا ہے اور عدالت کے ذریعے اپنا یہ حق وصول کر سکتا ہے۔ مشہور فقیہہ ابن عابدین کی رائے یہی ہے۔ ان کے نزدیک قاضی جس طرح کسی غریب شخص کے قریبی مال دار رشتے دار کو اس کی مالی اعانت کا حکم دے سکتا ہے۔ اسی طرح وہ حکومت کو بھی یہ ہدایت جاری کر سکتا ہے کہ وہ غریب اور بے بس حاجت مند کی ضروریات کا انتظام کرے (76)۔ اسلامی تاریخ میں بہت سے ایسے نظائر ملتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ غریب حاجت مندوں کی حاجت روائی کا سامان بیت المال سے کرے۔ اسلامی بیت المال میں افراد کے حقوق کو حضرت عمر ﷺ نے اپنے ایک قول میں یوں بیان کیا ہے:

فالرجل و بلاده والرجل و قدمه والرجل و حاجته

یعنی ہر شخص کو اس کی مصیبت، اسلام میں سبقت اور اس کی حاجت کے مطابق (کفالت کے لئے بیت المال سے) دیا جائے گا اور عام الرمادہ کے سال جب بارش نہ ہوئی اور عرب میں قحط پڑ گیا تو حضرت عمر ﷺ محتاجوں کے لئے خود کھانا تیار کراتے تھے اور پھر لوگوں میں اعلان کیا جاتا کہ اگر کوئی کھانے کا محتاج ہو تو وہ آ کر کھانا کھالے اور جو شخص اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے کھانا ساتھ لے جانا چاہے وہ آ کر لے جائے (77)۔

اگر ریاست محتاجوں کی کفالت کا فریضہ ادا کرنے میں قاصر رہے

اگر بیت المال میں روپیہ کے نہ ہونے یا اس کی کمی کی وجہ سے ریاست محتاجوں کی ضروریات پوری نہ کر سکے تو اسلامی معاشرے کے تمام ذی استطاعت مسلمان ان کی کفالت کے ذمے دار قرار پاتے ہیں۔ اس طرح کی کفالت ان فروض کفایہ میں سے ہے جو ایسی حالت میں پوری امت پر عائد ہوتے ہیں، چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی تکالیف مثلاً بھوک اور ننگ کو رفع کرنا جبکہ زکوٰۃ اور بیت المال ان کے دور کرنے سے عاجز ہو جائیں، مال دار اور صاحب استطاعت لوگوں کے فرائض کفایہ میں سے ہے۔ صاحب استطاعت لوگوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے ایک سال سے زیادہ خرچ اپنے پاس رکھتے ہوں اور کیا یہاں پر دفع ضرر سے مراد حاجت مند کو بقدر سد رمق امداد دینا ہے یا اس کا مفہوم ان کو بقدر کفایت مدد دینا ہے۔ یہ دو قول ہیں جن میں سے دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ تن ڈھانکنے کے لئے سردی یا گرمی کے لحاظ سے اتنا کپڑا دینا ضروری ہے کہ جس سے حاجت مند کا پورا بدن ڈھک جائے اور کھانے اور تن ڈھانکنے کے مفہوم میں طبیب کا معاوضہ، دوا کی قیمت اور ملازم کا خرچ بھی، جیسا کہ ظاہر ہے شامل ہے (78)۔

الغرض اسلامی معاشرے میں مال دار لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اگر بیت المال سے حاجت مندوں کی ضروریات پوری نہ ہوں۔ تو وہ آگے بڑھ کر ان کی امداد کریں۔ اگر یہ لوگ اپنے غریب بھائیوں کی امداد کرنے سے انکار کر دیں تو حکومت ان کو ایسا کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ چنانچہ امام ابن حزم فرماتے ہیں:

''اور ہر علاقے کے مال دار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے علاقے کے غریبوں کی کفالت کریں اور اگر ان کی زکوٰۃ اور باقی مسلمانوں کے روپیے

سے ان کی ضروریات پوری نہ ہوں تو حکومت ان کو اس پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ ان غریبوں کے لئے ناگزیر قوت لایموت اور سردی گرمی میں پہننے کے کپڑے مہیا کریں اور انہیں ایسے مکانات فراہم کریں جہاں وہ بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نگاہوں سے محفوظ ہوں (79)''۔

غیر مسلموں کی کفالت

رعایا کی ریاستی کفالت صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ غیر مسلم بھی اس سے متمتع ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے اہل ذمہ میں سے اگر کوئی شخص محتاج ہو تو وہ بھی ریاست کی طرف سے کفالت کا اسی طرح حق دار ہے جس طرح ایک مسلمان حاجت مند۔ اسلامی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک وہ خط ہے جو خالد بن ولید ﷺ نے اہل حیرہ کو لکھا تھا، اس میں آپ نے لکھا تھا:

''اور میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ اگر کوئی بوڑھا کام کاج سے رہ جائے یا وہ کسی اور آفت میں مبتلا ہو جائے یا پہلے جو امیر تھا وہ غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذاہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس شخص پر سے جزیہ ختم کر دیا جائے گا اور وہ جب تک دار الہجرت یا دار الاسلام (یعنی اسلامی ریاست) میں قیام پذیر رہے گا۔ اس کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی (80)''۔ حضرت خالد بن ولید ﷺ کے اس عہد نامے کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ یا کسی اور مسلمان کا کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اسی طرح خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷺ نے بصرہ کے گورنر عدی بن ارطاۃ کو لکھا تھا:

''امابعد۔۔۔ اور ان اہل ذمہ کی جو تمہارے پاس ہیں اور جو بوڑھے ہو چکے ہیں، جن کی قوت جواب دے چکی ہے اور جن کی آمدنی کا ذریعہ ختم ہو گیا ہے۔ ان کی خبر گیری کرو اور ان کی ضروریات کے لحاظ سے ایک مناسب وظیفہ ان کے لئے بیت المال میں سے مقرر کرو (81)''۔

تیسرا باب

شہریوں پر ریاست کے حقوق

پچھلے دو ابواب میں ہم بڑی تفصیل سے ان حقوق کا ذکر کر چکے ہیں جو اسلامی ریاست میں شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں، مگر ریاست شہریوں کے یہ حقوق اس وقت تک کما حقہ ادا نہیں کر سکتی جب تک شہری بھی اس معاملے میں اس کی مدد نہ کریں۔ اس کے بقاء و استحکام میں دل چسپی نہ لیں اور ان فرائض کو ادا نہ کریں جو ان پر ریاست کی جانب سے عائد ہوتے ہیں۔

ایک ریاست دراصل اس کے شہریوں کا گھر ہے، وہ ان کے لیے ایک پناہ گاہ ہوتی ہے جس میں وہ اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ ان کی خادم ہوتی ہے جو ان کی خدمت کرنے اور انہیں فائدہ پہنچانے کے لئے بے قرار رہتی ہے۔ شہریوں کے لئے ریاست کی مثال اس شفیق و مہربان باپ کی سی ہے جس کا ایک ہی بیٹا ہو۔ اس لئے شہریوں کی اپنی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ ریاست کی جانب سے عائد ہونے والے فرائض کو پوری طرح ادا کریں اور اس کی اعانت کریں۔ بے شک شہری ریاست کے حقوق کو پامال کر کے سرکشی کی راہ بھی اختیار کر سکتے ہیں مگر اس کا انجام ہمیشہ خود انہی کے لئے نقصان اور تباہی کا موجب ہوتا ہے۔

شہریوں پر ریاست کے متعدد بڑے بڑے حقوق میں سے دو حقوق نہایت اہم ہیں: ایک سمع و طاعت کا حق اور دوسرا دفاع کا حق۔ اس باب میں ہم انہی دو حقوق پر گفتگو کریں گے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ریاست کا پہلا حق: سمع و اطاعت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (النساء:59)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں''۔

مفسرین کے نزدیک اس آیت میں اولی الامر سے مراد مسلمانوں کے حکمران ہیں یا ان کے علماء (82) اسی طرح ایک حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیۃ

''مسلمان پر تمام معاملات میں خواہ وہ اسے گوارا ہوں یا ناگوار۔ سمع و اطاعت فرض ہے الا یہ کہ اسے کسی گناہ کا حکم دیا جائے (83)''۔

یہاں پر حکام کی اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مرجع دراصل ریاست ہی ہے، کیونکہ حکمران اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریاست کے احکام کی اطاعت، ان کی تنفیذ اور عوامی فلاح و بہبود کے ریاستی پروگراموں اور منصوبوں کو کامیاب بنانا شہریوں کا شرعی فریضہ ہے۔ اسی طرح اپنی بنیادی غرض و غایت کے حصول کے لئے ریاست کی کوششوں کو کامیاب بنانا بھی شہریوں کا فرض ہے۔ ریاست کی

جانب سے شہریوں کو جس اطاعت کا پابند کیا گیا ہے وہ ایک طرح کی اختیاری اطاعت ہے، اس کے سوتے ان کے دلوں کے اندر سے پھوٹتے ہیں، یہ ریاست کی جانب سے ان پر زبردستی ٹھونسی نہیں جاسکتی، مگر ریاست کے اس حق اطاعت میں کوتاہی شدید خطرات کا باعث بن سکتی ہے۔ ان میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے ریاست کی ہیبت اور دبدبہ جاتا رہے اور اس کی قوت بجائے امت کو کوئی مثبت فائدہ پہنچانے کے باغیوں اور سرکشوں کو دبانے میں ضائع ہوجائے۔ اس کے علاوہ اس کے نتیجے میں شہریوں اور ریاست کے درمیان نفرت اور عداوت کی ایک ایسی خلیج بھی حائل ہوسکتی ہے جو باہمی اعتماد کے لئے تباہ کن ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں جب ریاست افراد کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے قوت استعمال کرتی ہے تو اس کا ردعمل ہوتا ہے جس سے متاثر ہوکر حکام جبر وتشدد اور انتقامی کاروائیوں پر اتر آتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست جس میں شہری ایک دوسرے کے تعاون سے اعلیٰ اسلامی مقاصد کے لئے سرگرم عمل ہوتے ہیں ختم ہوجاتی ہے اور اس کی جگہ ایک ایسی پولیس اسٹیٹ لے لیتی ہے، جس کا سارا کاروبار جبر وتشدد، انتقام اور ظلم پر چلتا ہے۔۔۔۔ اس صورتِ حال کا آخری نتیجہ ریاست کی کمزوری کی صورت میں نکلتا ہے، جس سے شہریوں کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔

اطاعت ہر حال میں اطاعت

اجتماعی زندگی میں اور ریاست کے استحکام اور بقا کے سلسلے میں اطاعت کو اس درجہ اہمیت حاصل ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو تمام معاملات میں اطاعت امر کا حکم دیا ہے خواہ وہ حکم ان کو پسند آئے یا نہ آئے، مگر اطاعت ضروری ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث ہم اوپر درج کر چکے ہیں کہ مسلمان پر سمع واطاعت واجب ہے خواہ وہ بات جس کا اس کو حکم دیا جارہا ہو اس کو پسند ہو یا نہ ہو۔ ہاں البتہ اگر اسے کسی ارتکاب گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر اس پر اطاعت واجب نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ریاست کے لئے تمام شہریوں کو خوش رکھنا ممکن ہی نہیں ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ اس کے احکام سے سارے لوگ متفق ہوں ان سے جہاں کچھ لوگ خوش ہوں گے وہاں بعض لوگ ان کے خلاف بھی ہوسکتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کی خواہشات کو ریاست کی اطاعت کرنے یا نہ کرنے کا معیار ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا کیونکہ اس معیار کو مان لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کو جو باتیں پسند ہوں ان میں تو وہ ریاست کی اطاعت کرے اور جو وہ پسند نہیں کرتا ان میں اس کا جذبہ اطاعت سرد پڑ جائے یا کھلم کھلا ریاست کے احکام کی خلاف ورزی پر اتر آئے۔ اس طرح کی خودغرضانہ اطاعت سے کوئی فرد اس اطاعت کا حق ادا نہیں کرسکتا، جو ریاست کی جانب سے اس پر فرض ہے اور نہ ایسی اطاعت سے آدمی کے کسی کمال کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کی اطاعت تو ہر کس وناکس کرسکتا ہے بلکہ کرتا ہی ہے! اس طرح کی خودغرضانہ اطاعت پر بھروسہ بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ تمام تر خواہشات نفس پر مبنی ہوتی ہے اور اس کی ساری عمارت کسی وقت بھی دھڑام سے نیچے آسکتی ہے۔ اس طرح کے انسان کو جب کسی ناگوار بات کا حکم دیا جائے گا اور اسے اس میں دشواری پیش آئے گی، وہ فوراً نافرمانی اور کھلی سرکشی پر آمادہ ہوجائے گا۔ جس کے بعد اگر ریاست چپ رہے اور اسے کچھ نہ کہے تو نافرمانی اور بغاوت کی یہ وبا بڑھ کر ہمہ گیر انارکی اور انتشار کی صورت اختیار کرسکتی ہے۔ ایسی حالت میں لوگوں پر سے ریاست کا رعب اور دبدبہ ختم ہوجائے گا اور ملکی امن وامان درہم برہم ہوکر رہ جائے گا اور اگر ریاست اپنے مخالفین کو دبانے کے لئے قوت استعمال کرنے کا فیصلہ کرے تو اس کا نتیجہ قومی اتحاد کی تباہی اور اختلافات کی صورت میں سامنے آئے گا اور حکومت کی تلوار اپنے ہی شہریوں کے گلے کاٹنے لگے گی۔ اس کا انجام جیسا کہ ظاہر ہے بالآخر خود ریاست کی تباہی ہوگا۔ سوائے دشمنوں کے یہ صورت کسی کے لئے خوش آئند نہیں ہوسکتی۔

اس لئے ہر فرد (شہری) کا فرض ہے کہ وہ نافرمانی کے ان تباہ کن نتائج کو اپنے سامنے رکھے اور ریاست کی رضا کارانہ اطاعت کرے ایسی اطاعت جس کا سوتا اس کے دل کے اندر سے پھوٹتا ہو اور یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ اسلامی ریاست کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے کیونکہ اسی نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور مسلمان کا شرعی فرض قرار دیا ہے کہ جب تک اسے معروف (نیکی) کا حکم دیا جائے وہ ریاست کی اطاعت سے سرتابی نہ کرے۔ مسئلے کے اس پہلو پر ہم ذرا آگے چل کر روشنی ڈالیں گے۔ بہرحال ریاست کی اطاعت کی اساس وہی ہے جو نماز میں امام کے پیچھے کھڑے ہوئے مقتدیوں کی اطاعت کی ہوتی ہے، نماز باجماعت میں جس جذبے سے مقتدی امام کے افعال، قیام، رکوع وسجود کی متابعت کرتے ہیں، وہی جذبہ اسلامی ریاست کے شہریوں میں اسلامی ریاست کے معروف احکام کی اطاعت کرتے ہوئے کارفرما ہونا چاہئے۔

اطاعت کی حدود

فرد کو ریاست کی اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ معروف کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ کسی فرد کے لئے حرام

کاموں میں ریاست کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''مگر یہ کہ اسے (یعنی مسلمان کو) معصیت و نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو اس پر نہ سننے کی ذمہ داری ہے اور نہ اطاعت کی''۔

مفسرین قرآن نے آیت کریمہ: یایھا الذین امنوا اطیعو االله ، اطیعوالرسول واولی الامر منکم کی تفسیر کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف جگہ جگہ اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت ابن کثیر لکھتے ہیں:

''یعنی یہ لوگ تمہیں اللہ کی اطاعت کا جو حکم دیں، نہ کہ اللہ کی نافرمانی کا۔ کیونکہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

یایھا النبی اذا جاء ك المومنات یبا یعنك علی ان لا یشر کن بالله شیئا و لایسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یأتین ببھتان یفتر ینه بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینك فی معروف فبایعھن و استغفر لھن الله ان الله غفور رحیم (الممتحنة:12)

''اے نبی! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنا لیویں اور معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم والا ہے''۔

اس آیت میں خود رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ معروف کی قید موجود ہے، حالانکہ آنحضور ﷺ نے معروف کے سوا کبھی کسی اور چیز کا حکم نہیں دیا، کیونکہ اس سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت کی اجازت نہیں ہے۔

غلط اطاعت کا خوفناک انجام

اگر فرد ریاست کے خلافِ شریعت احکام کی اطاعت شروع کر دے تو دراصل وہ خدا کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے اور اس لئے سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے بوجھتے اطاعت کے جائز حدود سے تجاوز کرتا ہے اور اطاعت کی وہ راہ اختیار کرتا ہے، جو صریحاً حرام ہے چنانچہ ایک روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کا ایک دستہ ایک انصاری کی ماتحتی میں روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے انصاری امیر کی اطاعت کریں۔ ان انصاری نے کسی بات پر مشتعل ہو کر اپنے گروہ کے ارکان کو لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ جب آگ روشن ہوگئی تو انصاری امیر نے ماتحت صحابہ کو آگ کے اندر داخل ہونے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب واپسی پر اس واقعہ کا ذکر انہوں نے آنحضور ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ لوگ اس (آگ) کے اندر داخل ہو جاتے تو پھر وہ اس سے کبھی باہر نہ نکل سکتے۔ کیونکہ اطاعت جو کچھ ہے، وہ صرف معروف میں ہے (84)''۔

چنانچہ اگر امت بگڑے ہوئے اور مفسد حکمرانوں اور ان کے باطل اور خلافِ اسلام احکام کی اطاعت کرنے لگ جائے تو وہ سزا کی مستحق ہوتی ہے اور پھر کوئی عذر معذرت اس کے کام نہیں آتی۔ قرآن اس قسم کے گمراہ لوگوں اور ان کے سرداروں کے بارے میں کہتا ہے:

وقالو ا ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراء نا فاضلونا السبیلا ربنا اٰتھم ضعفین من العذاب والعنھم لعناً کبیراً (الاحزاب 67،68)

''اور کہیں گے اے رب ہمارے، ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہ راست سے بے راہ کر دیا۔ اے رب! ان کو دوہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر''۔

اذ تبر ء الذین اتبعوا من الذین اتبعوا وراوا لعذاب وتقطعت بھم الاسباب وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرة فنتبرأ منھم کما تبرأوا منا کذلك یریھم الله اعمالھم حسرات علیھم وما ھم بخارجین من النار۔ (البقرة:166،167)

''جب وہی پیشوا اور رہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروؤں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے مگر سزا پا کر رہیں گے اور ان کے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کہ کاش! ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں، ہم ان سے بیزار ہو کر دکھاتے۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں سے ہاتھ ملتے رہ جائیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے''۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اطاعت کی واضح حدود مقرر کی ہیں۔ان سے تجاوز کر کے امتِ مسلمہ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ کسی ظالم اور گم گشتہ راہ حکمران کے خلاف اسلام احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، کیوں کہ کسی حکمران کی ناجائز اطاعت کا مطلب خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے اور اس کے لئے اس کو خدا کے حضور جواب دہی کرنا ہوگی۔

ریاست کا دوسرا حق

دارالاسلام کی مدافعت

افراد کا یہ بھی فرض ہے کہ اگر اسلامی ریاست کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو وہ اس کا دفاع کریں اسلامی ریاست کا یہ دفاع دراصل جہاد فی سبیل اللہ کے ہم معنی ہے اور قرآن وسنت میں اس کی فرضیت اور اس کے اجر عظیم پر بار بار زور دیا گیا ہے اور اس کو ترک کرنے پر عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انفروا خفافا وثقالا و جاهدوا باموالكم وانفسكم فى سبيل الله ۔(التوبہ:41)

''اور نکلو اللہ کی راہ میں خواہ ہلکے ہوں یا بھاری۔اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو''۔

آنحضور ﷺ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا(85)''۔

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ فریضہ جہاد کے سلسلے میں جدوجہد کو منظم صورت دے اور دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق مناسب ادارے قائم کرے تاکہ امت اپنے اس فرض کو احسن طریقے سے انجام دے سکے۔اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ جہاد کے لئے پوری امت کو تیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے ضروری قوت ہتھیار اور سامان بھی فراہم کرے۔

اسلامی نقطہ نظر سے جہاد کا فریضہ صرف مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے، اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کے لئے جہاد میں حصہ لینا ضروری نہیں ہے۔لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر دارالاسلام (اسلامی ریاست) کے دفاع میں حصہ لینا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ایسی صورت میں ان پر سے جزیہ ساقط کر دیا جائے گا۔کیونکہ جزیہ دراصل ان کی حفاظت کے عوض وصول کیا جاتا ہے۔اصولی طور پر وہ فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔اس لئے جب وہ عملاً اسلامی ریاست کے دفاع میں شرکت پر آمادہ ہو جائیں تو ان پر سے جزیہ ساقط ہو جانا چاہئے۔

☆☆☆

حوالہ جات

(1) السیاسۃ الشرعیہ (2) فتاویٰ ابن تیمیہ (3) المنتخب من السنۃ (4) تفسیر ابن کثیر (5) البدایہ والنھایۃ: امام ابن کثیر، ابن ہشام (6) سیرت ابن ہشام (7) البدایۃ والنھایۃ (8) شرح القانون الدستوری (10) شرح السیر الکبیر (11) شرح الأزھار (12) بدائع الصنائع (13) فتح العزیز (14) اصول القانون (15) القانون الدولی الخاص (16) المغنی ابن قدامۃ الحنبلی (17) منہاج السنۃ النبویہ (18) الاحکام السلطانیۃ (19) تفسیر الرازی (20) مقدمہ ابن خلدون (21) الماوردی (22) الماوردی (23) الماوردی (24) الوجیز فی اصول الفقہ (25) السیاسۃ الشرعیہ (26) تفسیر الطبری۔تفسیر القرطبی (27) تفسیر الرازی (28) تفسیر الرازی۔امتاع الاسماع (29) السیاسۃ الشرعیۃ (30) تفسیر القرطبی (31) احکام القرآن (32) امتاع الاسماع (33) امتاع الاسماع (34) امتاع الاسماع (35) تفسیر القرطبی (36) تفسیر القرطبی۔احکام القرآن۔تفسیر الطبری (37) السیاسۃ الشرعیۃ (38) تفسیر المنار (39) سیرۃ ابن ہشام (40) آل عمران:159 (41) تفسیر القرطبی (42) ابوداؤد۔ریاض الصالحین (43) ریاض الصالحین (44) الطبقات الکبریٰ: (45) المواف۔شرح منقول از النظریات السیاسۃ الاسلامیہ (46) ایضاً (47) صحیح بخاری (48) صحیح بخاری (49) تیسیر الوصول (50) السیاسۃ الشرعیۃ (51) تیسیر الوصول (52) اصول القانون (53) الدیمقراطیہ الاسلامیہ (54) احکام الذمیین والمستانسین فی دار الاسلام (55) تیسیر الوصول (56) التشریع الاسلامی (57) اعلام الموقعین (58) القانون الدولی الخاص المصری (59) طبقات ابن سعد (60) الطاسافی (61) الجامع الصغیر: سیوطی (62) الفروق (63) الخراج (64) حنفیہ کے نزدیک اس طرح کا اظہار جائز ہے۔(65) شرح الکنز (66) ملامح الشرع الاسلامی (67) الطریق الحکیمۃ (68) نیل الاوطار (69) امتاع الاسماع (70) المحال (71) المحال (72) اللؤلؤ المرجان فیما اتفقا علیہ الشیخان (73) ابن عابدین (74) مترجم (75) السیاسۃ الشرعیۃ فی خواصہ (76) التشریع الاسلامی (77) الطبقات ابن سعد (78) المنہاج للفوزی (79) المحلی (80) الخراج (81) الاموال: ابوعبیدہ (82) احکام القرآن۔تفسیر ابن کثیر۔تفسیر القرطبی (83) شرح صحیح البخاری للعسقلانی (84) صحیح البخاری (85) ریاض الصالحین

☆☆☆

دودمانِ سلطان العارفین کا چشم و چراغ

صاحبزادہ پیر خالد سلطان سروری قادری

ملاقات: رضوان انجم، یاسر علوی فوٹوگرافر: محمد نعیم

طویل مسافتوں کی روح پرور کہانی

چمنستان سلطان العارفین حضرت قبلہ سلطان باہو علیہ الرحمۃ کے مہکتے پھول صاحبزادہ پیر خالد سلطان سروری قادری انتہائی جاذبیت رکھنے والی شخصیت کے حامل انسان ہیں۔ جرأت، غیرت، حمیت اور جوانمردی ایسے اوصاف خاندانی ورثہ کے طور پر انہیں نصیب ہوئی ہیں۔ طبیعت کے اعتبار سے کسی قدر ظریف لیکن اس پر بھی متانت و سنجیدگی کا غلبہ نظر آتا ہے۔ پرسکون چہرہ، بارونق پیشانی اور مسکراہٹیں بکھیرتے ہونٹ انہیں قدرت کے ایک خاص عطیہ کے طور پر ودیعت ہوئے ہیں۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اوستہ محمد بلوچستان سے جبکہ گریجویشن کا امتحان خیر پور شاہ عبداللطیف یونیورسٹی سے پاس کیا۔

ملک کے نامور علماء کرام سے دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ سلسلۂ طریقت کی تربیت و تعلیم اپنے تایا جان سلطان نور محمد اور والد گرامی سلطان غلام میراں سے حاصل کی۔ بچپن ہی سے دین داری، شوق عمل، ذوق جنوں اور خدمت اسلام کے جذبہ کے ساتھ اللہ کے کرم سے مالا مال ہوئے۔ اسکول اور کالج لائف میں ترویج و اشاعت دین کے لئے A.T.I میں سرگرم عمل رہے۔ مغربی تہذیب سے نفرت طبیعت میں رچی بسی ہوئی ہے۔ دل میں ایک ہی آرزو اور ایک ہی خواہش رکھتے ہیں کہ اسلام غالب آجائے، غلامان رسول اور عاشقان نبی آپس میں متحد ہو جائیں پورا ملک امن کا گہوارہ بن جائے۔ اس کی تکمیل کے لئے جماعت اہل سنت پاکستان کے ساتھ وابستگی اختیار کی جو آج بھی بحمدہٖ تعالیٰ برقرار ہے۔ یہ آپ کے اخلاص، لگن اور جہد مسلسل ہی کا نتیجہ ہے کہ آج بلوچستان کے شہر شہر، قریہ قریہ اور گھر گھر سے یا رسول اللہ ﷺ کی صدائیں سننے کو ملتی ہیں۔ ماہنامہ دلیل راہ نے ان کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا جس کی تفصیل نذر قارئین ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سوال: تاریخ وجائے پیدائش، تعلیم اور خاندانی پس منظر کے بارے میں بتائیں؟

جواب: دلیل راہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ ایسے ناتواں و ناقص کو اس قابل سمجھا کہ اپنے قارئین ساتھ مجھے کچھ باتیں کرنے کا موقع فراہم کیا۔ میری تاریخ پیدائش ہے یکم جنوری 1967ء اوستہ محمد جائے پیدائش صوبہ بلوچستان۔ تعلیم F.Sc تک اوستہ محمد سے حاصل کی۔ B.A شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور سے کیا۔ مولانا غلام رسول مولانا محمد قاسم اور مولانا غلام نبی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ میں نے M.A اسلامیات کا امتحان تنظیم المدارس کے تحت انوارِ مصطفیٰ سے دیا۔

خاندانی پس منظر:

الحمدللہ حضرت سلطان العارفین کی دسویں پشت میں ہوں۔ دادا جان پیر بولان و مہران حضرت سلطان فیض محمد علیہ الرحمۃ کو حضرت سلطان العارفین کی طرف سے بشارت ہوئی کہ آپ کو سندھ اور بلوچستان کی ولایت دی جاتی ہے اور حکم ہوا کہ وہاں جائیں۔

لہذا دادا جان سندھ تشریف لے گئے اور تقریباً 350 ہندو گھرانے شکار پور میں مسلمان ہوئے۔ کھوسہ فیملی اور جمالی فیملی کے اہم اشخاص آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ جمالی خاندان میں سے فیض محمد خان جمالی نے اوستہ محمد میں جگہ دی اور وہاں رہائش کی درخواست کی۔ اس سے قبل 1929ء تا 1937ء پٹفیڈر میں کھوسہ فیملی کے ہاں رہائش پذیر رہے۔ والد گرامی کی پیدائش بھی یہیں پر ہوئی۔ اس کے بعد اوستہ محمد تشریف لے گئے۔ چچا حضرت سلطان ولی محمد جو کہ دینی تعلیم کے حصول کے لئے اوستہ محمد آئے ہوئے تھے۔ 1944ء میں انکا وہاں انتقال ہوگیا اور وہیں پر ان کا مزار بنا۔

29 جون 1973ء میں حضرت پیر بولان کا وصال ہوا اور اوستہ محمد میں اپنے فرزند کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اس کے بعد والد گرامی حضرت سلطان غلام میراں سلسلہ قادری سروری نے طریقت کی خدمت کی اور ساتھ ساتھ سیاست میں بھی حصہ لیا۔ ایم۔ پی۔ اے، مشیر برائے گورنر اور چیئرمین میونسپل کمیٹی رہے۔ ہمارا سلسلہ قادریہ سروریہ ہے۔ ہم لوگ Local (مقامی) بلوچستان کے رہنے والے ہیں۔

سوال: حضرت سلطان العارفین علیہ الرحمۃ کی اولاد کتنی ہے اور کس کس علاقے میں آپ کی اولاد فیض تقسیم کر رہی ہے؟

جواب: حضرت سلطان باہو کے کل 8 فرزند تھے۔ جن میں صرف دو کی اولاد ہے۔

1۔ حضرت سلطان نور محمد

2۔ حضرت سلطان ولی محمد

حضرت سلطان نور محمد کو حضرت سلطان باہو نے اپنی زندگی میں فرمادیا تھا کہ آپ کی اولاد میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو سلسلہ کے طریقے سے ہٹ جائیں گے۔ ان کو حکم دیا کہ آپ فاطمہ مستوئین جو کہ سلطان باہو کی کنیز اور فیض یافتہ تھی کے دربار پر چلے جائیں۔ یہ بھی فرمایا کہ آپ کو میں حکمت دیتا ہوں۔ آج تک ان کے گھرانے میں حکمت چلی آرہی ہے۔ 60,50 کے لگ بھگ گھرانے ڈسٹرکٹ لیہ میں آباد ہیں۔

حضرت سلطان ولی محمد علیہ الرحمۃ کو دستار، فضیلت و سجادگی عطا فرمائی اور فرمایا آپ کی اولاد میری روحانیت اور طریقت کی خدمت کرے گی۔ ہم تمام لوگ حضرت کی اولاد سے ہی ہیں اندازاً 70 گھرانے ہیں۔ ایک گھرانہ اوستہ محمد، ایک گھرانہ راولپنڈی میں جھونگل میں ندیم سلطان قادری کا ہے، جو جماعت اہل سنت سے وابستہ ہیں۔

2,3 گھرانے سرگودھا شاہ پور۔

2,3 گھرانے ضلع بھکر میں۔

5,6 گھرانے ملتان۔

10 گھرانے لاہور۔

10,12 گھرانے ڈیرہ اسماعیل خان، پہاڑ پور، جھوک چھالا شریف اور جمعہ شریف میں آباد ہیں۔ یہاں حضرت سلطان فتح محمد کا مشہور دربار بھی ہے۔ اسی طرح صوبہ سرحد، بلوچستان اور صوبہ سندھ میں روپڑی میں ایک گھرانہ ہے۔ احمد پور شرقیہ میں دو گھرانے ہیں اور یہیں پر حضرت سلطان عظمت کا دربار بھی ہے۔ رحیم یار خان میں حضرت سلطان ولی محمد کا مزار ہے جو حضرت سلطان العارفین کے پہلے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ اس گاؤں کا نام بھی ان کے نام سے موسوم موضع ولی محمد ہے۔

سوال:۔ جماعت اہل سنت میں شمولیت کا پسِ منظر کیا ہے اور جماعت میں آپ کی گہری دلچسپیوں کا سبب کیا چیز ہے؟

جواب:۔ جماعت اہل سنت کو میں اپنی Mother Party کہتا ہوں۔ ہمارے بزرگ بھی اس سے وابستہ رہے۔ میرے چچا حضرت سلطان نور حسین تین سال جماعت اہل سنت صوبہ بلوچستان کے صدر رہے۔ اس وقت میری عمر 6 یا 7 سال تھی، پھر میرے والد حضرت سلطان میراں 1977ء سے 1981ء تک جماعت اہل سنت بلوچستان کے صوبائی امیر رہے۔ اس وقت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی مرکزی صدر تھے۔

تنظیمی شوق شروع سے تھا۔ شروع میں دو سال بلوچ قوم پرست تنظیم B.S.O میں رہا۔ پھر A.T.I میں شمولیت اختیار کی۔ اوستہ محمد اور ضلع نصیر آباد کا صدر رہا۔ کالج لائف کے بعد جماعت اہل سنت ضلع نصیر آباد کا کنوینیر بنا، پھر سبی ڈویژن کا صدر بنا۔ اس وقت مفتی مختار نعیمی مرکزی ناظم اعلیٰ تھے۔ بعد میں منہاج القرآن سے وابستہ رہا۔

بحیثیت صوبائی امیر علماء مشائخ ونگ۔ جب پروفیسر طاہر القادری نے سیاست میں آنے کا اعلان کیا تو میں مستعفی ہو گیا۔ اس کے بعد کسی بھی تنظیم میں نہیں رہا۔

پھر اپنی ایک تنظیم بنائی ''انجمن غلامان مصطفیٰ'' پاکستان کی سطح پر رجسٹرڈ کروائی اور باقاعدہ دستور بنایا اور بطور امیر کام کرتا رہا۔

1996ء میں سید غلام محمد شاہ جو کہ جماعت اہل سنت صوبہ بلوچستان کے امیر تھے وہ میرے پاس اوستہ محمد پھر کوئٹہ تشریف لائے اور مجھے پابند کیا کہ جماعت اہل سنت کے مرکزی قائدین آرہے ہیں۔ میٹنگ میں ضرور شرکت کریں۔ میں نے عرض کیا کہ جماعت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور تین حصوں میں تقسیم ہے لہذا میں ایسی جماعت میں نہیں آنا چاہتا جہاں اختلاف اور مخالفتیں ہوں اور ہمارا مسلک ٹوٹتا رہے، پھر انہوں نے مجھے تسلی دی کہ جماعت اہلسنت کا اتحاد ہو چکا ہے اور موچی دروازہ والے پروگرام کی کوریج دکھائی۔ اس وقت پیر افضل قادری ناظم اعلیٰ تھے جبکہ علامہ سید مظہر سعید کاظمی مرکزی امیر تھے۔ اجلاس میں حاضر ہوا پیر افضل قادری نے اجلاس کی صدارت کی۔ D.S آفس مسجد میں اجلاس ہوا اور متفقہ طور پر صوبائی امیر منتخب ہوا۔ علماء و مشائخ کے پرزور اصرار کے بعد اس شرط پر میں نے عہدہ قبول کیا کہ تمام علماء و مشائخ حلف دیں کہ وہ میرے فیصلوں پر میرا ساتھ نبھائیں گے۔ تمام علماء و مشائخ نے ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ اس طرح 12 جون 1996ء میں صوبائی امیر بلوچستان بنا۔ پہلا اعلان یہ کیا کہ 30 ستمبر 1996ء صوبائی سنی کانفرس ہوگی۔ اس اعلان نے سب کو پریشان کر دیا۔ کیونکہ اس وقت فرقہ وارانہ تعصبات عروج پر تھے۔ اہل حدیث اور اہل تشیع کی عبادت گاہوں پر بم بلاسٹنگ ہوئی۔ اس اعلان پر سب نے اختلاف کیا لیکن میں نے ان کو ان کا وعدہ یاد دلایا۔ اس وقت ہم اہل سنت گھروں میں میلاد مناتے تھے، مسجد میں جلسے کرتے تھے لیکن سپیکر بند کر کے۔ میں جانتا تھا کہ اگر ایک دفعہ ہم کھل کر میدان میں آ گئے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے لئے آسانیاں پیدا ہوں گی۔ اللہ نے ہماری مدد کی اور مرکزی قائدین نے ہمارے حوصلے بڑھائے۔ پیر افضل قادری مرکزی ناظم اعلیٰ ہماری کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے، عبدالرزاق ساجد سیکرٹری نشر و اشاعت تھے وہ اور صاحبزادہ فضل الرحمٰن اوکاڑوی تین دن پہلے چلے آئے۔

دیوبندیوں نے C.M کو کہلوا کر کانفرنس کا اجازت نامہ منسوخ کروا دیا۔ میں نے وفد کے ہمراہ C.M سے ملاقات کی اور صورت حال واضح کی۔ امن کے فروغ کی بات کی اور اس کو یقین دلایا کہ ہم لوگ حقیقی معنوں میں قیام امن کے داعی ہیں۔ لہذا C.M نے اسی وقت کمشنر کو فون پر حکم صادر کیا کہ اجازت دی جائے، پھر دیوبندیوں نے اہل تشیع کو اکسایا تو اہل تشیع نے گورنر کو درخواست دے کر اجازت پھر منسوخ کروا دی۔ 30 کو کانفرنس تھی اور 29 کو میں نے گورنر سے وفد کے ہمراہ ملاقات کی۔ گورنر جنرل عمران اللہ تھا۔ سچا عاشق رسول تھا۔ اس نے کہا میں جب مدینہ طیبہ جاتا ہوں تو اس سرزمین پر جوتے نہیں پہنتا۔ اس کو جب ہم نے اپنی جماعت کے منشور و مقاصد سے آگاہ کیا اور اپنا تعارف کروایا تو اس نے فوراً اجازت بحال کرائی اور تمام ایجنسیوں اور آرمی کو حکم دے دیا کہ وہ ہماری کانفرنس کے لئے Security فراہم کریں۔ ریلوے گراؤنڈ میں کانفرنس منعقد ہوئی۔ اللہ کا اتنا فضل ہوا کہ آخری وقت تک ہزاروں افراد پر مشتمل قافلے کانفرنس میں شریک ہوتے رہے۔ اس کانفرنس کے بعد آج تک سنی علی الاعلان محافل میلاد کرتے ہیں۔ آج تک پھر سپیکر کی پابندی ہمارے جلسوں پر نہیں لگی اللہ کے

WWW.NAFSEISLAM.COM

فضل سے اس وقت سے آج تک یہ عاجز جماعت کی خدمت کر رہا ہے۔

سوال:۔ آپ نے پاکستان میں کون کون سی تحریکیں دیکھیں؟

جواب: تحریک ختم نبوت کے وقت کم سن تھا۔ مسلکی بنیاد پر ہر تحریک میں حصہ لیا۔ 9 ستاروں والا دور بھی دیکھا۔ ہمارے قائدین نے تحریک نظام مصطفیٰ چلائی اس کے دورِ عروج کو دیکھا۔ اس کے علاوہ ضیاء الحق کے خلاف سیاسی تحریک کو دیکھا لیکن اس وقت شامل نہیں ہو سکا۔

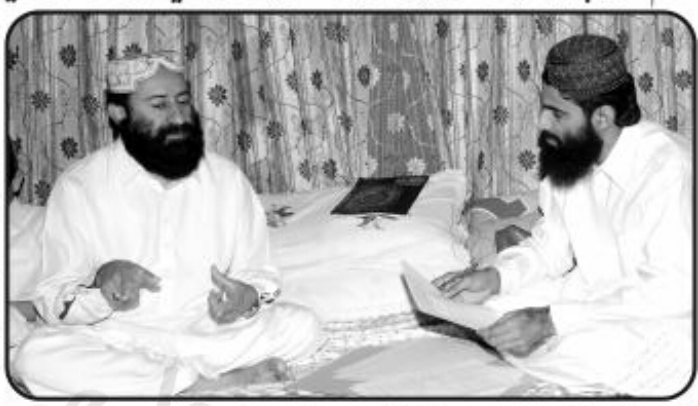

سوال: جنرل ضیاء الحق کے خلاف کن وجوہات کی بنا پر تحریک چلی؟

جواب: ضیاء الحق کے خلاف تحریک علامہ شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خان نیازی نے مل کر چلائی۔ ایک وجہ یہ تھی کہ ہمیں ڈکٹیٹر نہیں چاہیے۔ دوسرا اس کے عزائم ظاہر تھے کہ وہ ملک میں گستاخان رسول کو تقویت دے رہا تھا۔ تبلیغی جماعت کو ضیاء کے دور میں سب سے زیادہ تقویت ملی، کلاشنکوف کلچر عام ہوا، ہیروئن کلچر بھی ضیاء کے دور میں آیا اور سندھ میں M.Q.M ضیاء کے دور میں بنی۔ اس کا اصل مقصد J.U.P کو کمزور بلکہ Crash کرنا تھا۔ اس تحریک میں قائدین نے بہت کام کیا اور جیل بھی گئے۔ میرے والد نے اس تحریک کے لئے ایک جیپ J.U.P کو Donate کی تھی۔ بلوچستان میں اس تحریک پر اٹھنے والے تمام اخراجات کی ذمہ داری والد گرامی نے اٹھائی۔ کوئٹہ روڈ فیض آباد میں بہت بڑا اجلسہ بھی ہوا تھا۔ اس وقت تحریک عروج پر تھی لیکن ہمارے اندر ایسی ٹوٹ پھوٹ ہوئی کہ کچھ لوگ گورنمنٹ میں شامل ہو گئے۔ اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ تحریک نے نمایاں کامیابی حاصل کی، کیونکہ ہم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکے تھے۔

سوال: آپ نے جماعت اہل سنت، جے۔ یو۔ پی اور اسلاف کے مختلف ادوار دیکھے آپ کیا سمجھتے ہیں کہ جماعت اہل سنت کیوں بکھر گئی اور اس کے اتحاد میں کیا رکاوٹیں ہیں؟

جواب: ممکن ہے میرے اس جواب سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچے اور چند میرے بزرگ شاید مجھ سے نالاں ہو جائیں لیکن حق بات کہہ دینی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے کچھ لوگ ایسے تھے جو عہدوں کی غرض سے عہدوں پر براجمان رہنا چاہتے تھے اور جب بندہ متواتر ایک ہی عہدے پر قائم رہے تو دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ مجھے Chance ملنے والا نہیں۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ جب چیف آف آرمی سٹاف Take over کرتا ہے تو وردی تو اس کی مجبوری بن جاتی ہے ورنہ بصورت دیگر وہ کمزور ہو جائے گا، لیکن اس کے جونیئر مایوس ہو جاتے ہیں کہ ہمارا حق ہمیں نہیں ملنے والا۔ نتیجتاً آرمی کے اندر اختلافات اور ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جاتی ہے۔ ہمارے اہل سنت کے ساتھ بھی یہی المیہ ہے کہ ہم نے کبھی بھی اس کو تنظیمی سلسلے سے نہیں چلایا۔ ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم نے کیا کرنا ہے، ہم کس لئے آئے تھے، صرف عہدے کے لئے تو نہیں آئے، ہمیں جماعت کا کام کرنا ہے اور ایسے قائدین پیدا کرنے ہیں جو جماعت کو آگے چلاتے رہیں یہ تسلسل جاری رہے۔ بعض دفعہ تنظیم کامیاب ہوتی ہے کسی عہدیدار کی وجہ سے بعض دفعہ فلاپ ہوتی ہے لیکن کم از کم یہ تجربہ دوہرانا چاہیے تاکہ پیچھے آنے والوں کو یہ مایوسی نہ ہو کہ ہمیں عہدہ نہیں ملے گا۔

دوسری وجہ سرکاری ایجنسیاں بھی ملوث ہوتی ہیں۔ ایجنسیاں توڑتی ہیں اور ہمیں کمزور کرتی ہیں۔ ہمارے درمیاں اختلافات پیدا کر کے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر بندہ قائد بننا چاہتا ہے، جو بندہ قیادت کے غم میں رہے گا تو ظاہر ہے ایک جماعت میں تو سب کو قیادت نہیں دی جا سکتی۔ مجبوراً اس کو دوسری جماعت بنانے پڑے گی۔ جب وہ دوسری جماعت بنائے گا تو وہ قیادت کے نشے میں ہوگا اور اسے یہ پتہ نہیں ہوگا کہ میری جماعت ٹوٹ رہی ہے۔ ہمارے لوگوں میں تفریق پڑ گئی ہے۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں جب یہ اندازہ ہو جائے کہ ہمارا دشمن بہت عیار، مضبوط اور چالاک ہے تو پھر شاید ہم یہ تجربہ بار بار نہ دوہرائیں۔

سوال: بیرونی ممالک کا کبھی سفر ہوا اور کن ممالک میں تشریف لے کر گئے؟

جواب: یہ عجیب بات ہے کہ شروع میں یورپی ممالک سے Allergic تھا۔ کئی دفعہ موقع بھی ملا مگر نہیں گیا۔ والد گرامی 84 میں امریکہ کے دورے پر گئے مجھے ساتھ چلنے کو کہا مگر میں نہیں گیا۔ برطانیہ بھی مجھے اچھا نہیں لگتا۔ تمام عرب ریاستوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ عراق 3 مرتبہ

گیا، افغانستان گیا۔ ایران اس لئے نہیں گیا کہ وہاں کی حکومت بلائے گی تو جاؤں گا۔

سوال: یورپی ممالک اور امریکہ سے الرجی کی کوئی وجہ؟

جواب: اصل میں بچپن سے یہ پتا چلتا رہتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ ذہن پختہ ہوگیا تھا کہ وہ ہمیں بے راہروی کا شکار کریں گے اور صحیح سمت نہیں دیں گے۔ وہ ہمیشہ ہم پر مسلط رہے۔ ہم پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑتے رہے۔ ان کے ساتھ قربت میں کیا ملے گا؟ لیکن اب یہ چاہتا ہوں کہ وہاں جو ہمارے مسلمان آباد ہیں ان کو دیکھنا چاہیے اور اللہ کے فرمان سیر وا فی الارض پر عمل کرنا چاہیے۔ اب جہان کی سیر کے شوق سے دل چاہتا ہے کہ جایا جائے۔ لیکن اب ذوق بنے بھی تو وہ لوگ مذہبی کہہ دیتے ہیں ایک دفعہ ویزہ لگوانے گیا تو وہ مجھے کہنا لگا اگر ہم آپ کو ویزہ نہ دیں تو کیا کریں گے؟ میں نے کہا میں خوش ہوجاؤں گا کہ آپ نے نہیں دیا۔

سوال: آپ بلوچستان میں رہائش پذیر ہیں وہاں کے اور سیاسی اور دینی حالات کے متعلق ارشاد فرمائیں؟

جواب: بلوچستان کے سیاسی حالات تقریباً تقریباً مرکز کے اشاروں پر چلتے ہیں یا بیرون ملک کی سازشوں سے چلتے ہیں۔ اس وقت P.P.P کے 7 ممبران 67 کے ایوان پر حکومت کر رہے ہیں وجہ مرکز میں P.P.P کی حکومت ہے اور دینی اعتبار سے وہاں کے لوگ بے انتہا دیندار ہیں، بے انتہا مخلص، بہت سچے، امانت دار، دیانت دار اور حضور ﷺ کی محبت اور اسلام کی محبت سے سرشار ہیں۔

المیہ یہ ہوا کہ جماعت اہل سنت، جے۔ یو۔ پی اور دیگر سنی جماعتوں نے بلوچستان کے اندرونی حالات کا گہری نظر سے مشاہدہ نہیں کیا جبکہ جے۔ یو۔ آئی اور جماعت اسلامی نے ان کو بھانپ لیا اور ان کی طبیعت کے مطابق سیاسی امور میں بھی چھلانگ لگا دی۔ میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ وہ لوگ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں شراب کی بوتل پکڑ کر کہتے تھے عوام کو ان دو چیزوں میں سے کون سی چیز پسند ہے؟ قرآن یا شراب۔ عوام کہتے تھے ظاہر ہے ہم مسلمان ہیں ہمیں قرآن پسند ہے۔ وہ کہتے تھے اگر قرآن پسند ہے تو ہمیں ووٹ دو اور اگر شراب پسند ہے تو کسی وڈیرے اور سردار کو ووٹ دو۔ اس بنیاد پر انہوں نے ووٹ لیے اور بلوچستان میں چھا گئے۔ انہوں نے بلوچستان میں مدارس کے جال پھیلائے۔ ہمارے قائدین کی طرف سے اس جانب توجہ نہیں دی گئی کہ وہاں درس و تدریس کا نظام چلایا جائے۔ انسان کو نظریاتی طور پر مضبوط کرنے والی سب سے بڑی فیکٹری مدارس ہیں۔

اگر مدارس جماعت اہل سنت کے حوالے سے بلوچستان میں مضبوط ہوتے تو آج ہم مایوس نہ ہوتے۔ مذہبی طور پر آج بھی بلوچستان میں بہت اچھا گراؤنڈ موجود ہے اگر آج بھی ہماری جماعت کے لوگ جاگ جائیں اور اہل سنت سے منسلک لوگ جو پوری دنیا میں رہتے ہیں اگر ایک ایک گھرانہ اپنے فنڈ سے بلوچستان میں ایک ایک مدرسہ بنا دے تو پھر بھی میں یہ سمجھوں گا کہ دیر آید درست آید۔

سوال: آپ نے اپنی گفتگو میں B.S.O میں شمولیت کا ذکر کیا کیا یہ علیحدگی پسند تنظیم نہیں ہے اگر ہے تو پھر اس میں شمولیت کی کیا وجہ تھی؟

جواب:۔ وہ میرا بچپنا تھا اور کالج فیلوز اس طرف مائل کرتے تھے، یہاں تک کہ سکول میں اساتذہ بھی یہ کہتے تھے کہ ہم بلوچستان والوں کے حقوق غصب ہوئے ہیں۔ ہم اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ظاہر ہے میں بھی بلوچستان کا پیدائشی ہوں اور بلوچستان کا رزق کھایا ہے وہاں کی آکسیجن ملی ہے تو غیرت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ پہلے اپنے حقوق کی بات کی جاتی۔ پہلے خویش پھر درویش۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ بلوچستان کے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں۔ اب بھی ہو رہی ہیں۔ بلوچستان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں اس کے ساتھ سوتیلی ماں والا سلوک کیا جا رہا ہے۔ بلوچستان کے عوام کو مایوسی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں صرف پنجاب Involve ہے۔ پنجاب Involve نہیں ہے جب میں نے طریقت کی خدمت شروع کی اس وقت تک ذہن میں یہی تھا کہ پنجاب ہمارا دشمن ہے، لیکن جب طریقت کی راہوں میں نکلا اور آکر دیکھا کہ جو ظلم پنجاب کے ساتھ روا ہے بلوچستان کے ساتھ تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ پنجاب میں اس دور میں بھی ایسے دیہات موجود ہیں جہاں پر سکول میں بچوں کو بیٹھنے کے

لئے ٹاٹ میسر نہیں ہیں۔ بجلی کے بحران میں سب سے زیادہ پنجاب پٹ رہا ہے۔ پانچوں دریا یہاں سے نکل رہے ہیں لیکن پنجاب کے کئی ایسے علاقے ہیں جو ویران ہیں۔ اس وقت چونکہ میں نے دنیا نہیں دیکھی تھی۔ میں بلوچستان کا باسی ہوں اور مجھے بلوچستان کے لئے سوچنا تھا۔ اب بھی ایسا نہیں ہے کہ میں B.S.O کو غلط سمجھ کر A.T.I میں آیا بلکہ A.T.I میں مجھے میری دین دوستی لائی اسلام کی محبت لائی۔ بزرگوں کا خاندانی پسِ منظر لے کر آیا کہ A.T.I میں رہ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے پیغام کو عام کرنا ہے، اس لئے ایسا نہیں ہے کہ میں نے B.S.O کو علیحدگی پسند تنظیم ہونے کی وجہ سے چھوڑا۔

اس وقت بھی اور آج بھی بلوچستان کے اصل سیاستدان علیحدگی نہیں چاہتے بلکہ وہ بلوچستان کی خودمختاری چاہتے ہیں۔ جیسے نواب اکبر بگٹی کو شہید کیا گیا تو نواب صاحب پاکستان کے سب سے بڑے داعی تھے۔ قیام پاکستان میں سرداروں نے جو رول ادا کیا اس میں سب سے پہلے دستخط کرنے والا نواب اکبر بگٹی تھا۔ بلوچستان کے لوگ جب مجھے کہتے ہیں کہ پنجاب نے ہمارے ساتھ ظلم کیا ہے تو جواباً میں اپنے بلوچی بھائیوں سے یہ کہتا ہوں تاریخ گواہ ہے مجھے یہ بتاؤ کہ کون سا ایسا پنجابی جنرل تھا جس نے چیف آف آرمی سٹاف بننے کے بعد اس نے حکومت کو گرایا ہو اور خود حاکم بن گیا ہو۔ آج بھی جنرل کیانی پنجابی ہے لیکن اتنے خراب حالات کے باوجود وہ Take over کیوں نہیں کر رہا۔ پہلا مارشل لاء جنرل ایوب نے لگایا وہ پنجابی نہیں تھا۔ دوسرا یحییٰ نے لگایا وہ بھی پنجابی نہیں تھا۔ تیسرا مارشل لاء ضیاء الحق نے لگایا وہ بھی انڈیا سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ چوتھا مارشل لاء مشرف نے لگایا وہ بھی پنجابی نہیں ہے۔ وہ بھی انڈیا سے ہجرت کر کے آئے۔ یہ ان لوگوں کی سازش ہے جو بلوچ اور پنجابی کو لڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلوچ اور پنجابی آپس میں بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق غصب نہیں کرتے۔

جنرل جہانگیر کرامت پنجاب کا رہنے والا تھا۔ کتنے حالات خراب ہوئے کتنی زیادتی ہوئی اس کے ساتھ لیکن اس نے مارشل لاء نہیں لگایا۔ B.S.O میں رہنے کا مجھے یہ فائدہ ہوا کہ Second Side دیکھنے کا موقع ملا اور حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔

سوال: موجودہ دور کا خانقاہی نظام مؤثر نہیں رہا اس کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب: اس جواب سے بھی کچھ احباب ناراض ہوں گے ان سے معذرت۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی تعلیمات کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے بھیسر داری نظام قائم کر لیا ہے کہ سردار صاحب کا بڑا بیٹا ہی سردار بنے گا۔ روحانیت میں یہ چیز نہیں چلتی۔ روحانیت اس کو چاہتی ہے جو اس کے قدم پر چل رہا ہو۔ اب سجادگی کا بھی یہی عالم ہے کہ جو بڑا بیٹا ہے دستار اس کے سر پر آئے گی، چاہے وہ شرابی ہو، چاہے وہ جس بھی طبقے سے تعلق رکھنے والا ہو چونکہ بڑا بیٹا ہے تو سجادہ نشین بھی یہی بنے گا۔ اس چیز نے خانقاہی نظام کو توڑ پھوڑ کے رکھ دیا ہے۔

پہلے یہ ہوتا تھا کہ اللہ کا درویش بندہ وہ اپنے خاندان اور بچوں میں تلاش کرتا تھا کہ کون سا بچہ میری تعلیمات کا Adopt کر رہا ہے۔ وہ اس کو قریب کر کے اس کی دستار بندی کر جاتا تھا۔ اگر اس کو اپنے خاندان میں نظر نہیں آتا تھا تو اپنے خلفاء میں دیکھا جاتا تھا کہ کون سا خلیفہ ایسا ہے جو میری تعلیمات کو فروغ دے سکتا ہے اور اس فیض کو آگے بڑھا سکتا ہے۔ وہ قلب پہ نظر کرتے تھے کہ کس کا دل متوسط ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کے دل کا پیالہ سیدھا ہے جو میرے فیض کو سنبھال سکتا ہے اس کو دستار رعطا کی جاتی تھی۔ آج کل ''پدرم سلطان بود'' کا رواج ہو گیا ہے۔ میں نے ایسے سجادہ نشین بھی دیکھے ہیں جن کو اپنے شجرے کا ہی پتہ نہیں۔ ایسے بندے جب سجادہ نشین بنیں گے تو پھر خانقاہی نظام کیسے چلے گا، پھر ہم نے تربیت گاہیں نہیں بنائیں۔ کوئی تربیت گاہ نہیں ہے جو سجادگان کو تربیت دے۔ سجادگان ایسی ہستی ہوتے ہیں جو لاکھوں دلوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان کو اگر اپنے دل کا پتہ نہ ہو تو وہ دوسروں کو کیسے فیض یاب کر سکتے ہیں اور کیسے ان کو Straight way دے سکتے ہیں۔

سوال:۔ اسی تناظر میں سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک خلافت دینے کا معیار کیا ہونا چاہیے؟

جواب:۔ میں فی الحال تو خود بھی اس قابل نہیں ہوں کہ کوئی پیر بن جاؤں۔ حضرت سلطان العارفین کی کتب پڑھتا ہوں تو اس حوالے سے میں تو اپنے آپ کو پکا مسلمان بھی نہیں سمجھتا کہ پتہ نہیں میں مسلمان بھی ہوں کہ نہیں چہ جائیکہ میں یہ سوچوں کہ کس کو اپنا جانشین بناؤں۔

میرا بیٹا ہے مرید سلطان اور بھانجا سلطان محمد حیات ان کے لئے نیک خواہشات ہیں اور ان کو قبلہ شاہ صاحب کے ادارے میں داخل

کیا ہے اسی نیت سے کہ وہ دین کی تعلیم حاصل کریں گے اور شاہ صاحب سے تربیت حاصل کریں گے کیونکہ تعلیم سے زیادہ تربیت۔ اگر تربیت ان کو اچھی مل جائے ادب و آداب سیکھ جائیں تو کم از کم کل ہماری قبر پر دعا کرنے والے تو بن جائیں گے۔

سوال:۔ آپ کے خیال میں جماعت اہل سنت پاکستان کا یہ عروج کن شخصیات کی کاوشوں کا مرہون منت ہے؟

جواب:۔ اول و آخر تو ایک ہی بات ہے کہ اللہ کے فضل سے اور اس کے ساتھ ساتھ جماعت کو جب دو سادات کی قیادت نصیب ہوئی ہے اس کی ترقی میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ میرے دل میں قبلہ پیر سید مظہر سعید کاظمی امیر جماعت اور قبلہ سید ریاض حسین شاہ ناظم اعلیٰ کے لئے بہت ہی زیادہ نیک دعائیں، تمنائیں اور خواہشات موجود ہیں میں دونوں کا بہت احترام کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ ان کا سایہ سنیوں کے سروں پر تادیر قائم رکھے آمین۔

سوال:۔ آپ کے نزدیک تبلیغ کا مؤثر طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ مدارس اور تسلسل کے ساتھ درس قرآن۔

سوال:۔ کوئی ایسا یادگار واقعہ جس نے خوشگوار یادیں آپ کی زندگی میں چھوڑی ہوں؟

جواب:۔ ویسے تو بہت سے واقعات ہیں لیکن میرا اور شاہ جی کا بلوچستان کا دورہ اس کو میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ انسان کو اصل خوشی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے قائد کے ساتھ گھل مل جائے۔

سوال:۔ بیعت لیتے وقت مریدین کو کیا ہدایات دیتے ہیں؟

جواب: اہم ہدایات نماز کی پابندی۔ قلب کی طرف توجہ۔ دل کی سمت اللہ پاک کی طرف ہو۔ پڑوسیوں کا خیال رکھنا کہ یہ میرے محبوب پاک ﷺ کی سنت ہے۔ والدین کا احترام کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں سرشار رہیں۔ دامن مصطفیٰ ﷺ کو کبھی نہ چھوڑیں۔ جو دامن مصطفیٰ ﷺ چھوڑ گیا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا اور کبھی مرشد سے بھی وفا نہیں کر سکتا۔

سوال: لباس کون سا پسند کرتے ہیں؟

جواب: سفید کاٹن اور بوسکی۔

سوال: خوشبو کون سی پسند کرتے ہیں؟

جواب: گلاب کی خوشبو۔

سوال: سورج غروب ہونے کا وقت زیادہ اچھا لگتا ہے یا طلوع ہونے کا؟

جواب: غروب کا وقت خوف کا ہوتا ہے اور طلوع ہوتے وقت امیدیں بلند ہوتی ہیں اپنے مسلک کے عروج کے لئے طلوع کا وقت بہت اچھا لگتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں طلوع کا وقت میں بھلا نہیں سکتا۔ جنت البقیع کی طرف سے سورج کو طلوع ہوتے دیکھتا ہوں تو بالکل یوں محسوس ہوتا ہے کہ سورج بھی میرے محبوب پاک ﷺ کے قدم مبارک چوم کر اٹھ رہا ہے، اسی لئے طلوع کا وقت بہت اچھا لگتا ہے۔

سوال: دھوپ اچھی لگتی ہے یا بارش یا بادل؟

جواب: دھوپ کی تپش محسوس ہوتی۔ خاکی طبیعت ہے۔ بارش پسند ہے کیونکہ خاک پر جب پانی پڑے تو عجیب قسم کی خوشبو نکلتی ہے۔

سوال: پسندیدہ موسم؟

جواب: بہار اور سردی۔

سوال: پسندیدہ مقام؟

جواب: کوئٹہ۔

سوال: سب سے زیادہ صدمہ زندگی میں کب ہوا؟

جواب: میرے تایا حضرت سلطان نور محمد جنہوں نے مجھے سلوک میں بہت کچھ عطا کیا۔ روحانیت میں بہت مدد کی۔ مزمل شریف اور بہت کچھ عطا کیا۔ ان کے وصال کا بہت صدمہ ہوا۔

سوال: کھانے میں کیا اچھا لگتا ہے؟

جواب: سبزی۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سوال: اہل سنت کے سیاسی مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے آپ کے پاس کیا تجاویز ہیں؟

جواب: باضابطہ متحدہ اہل سنت کی سیاسی جماعت ہو۔ شاہ صاحب جیسے بزرگ اس کی قیادت کریں۔ ولولہ انگیز قیادت ہو اور ہم پورے ملک میں یا رسول اللہ ﷺ کی بنیاد پر اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر الیکشن Contest کریں۔ یہ جماعت فروغ تعلیمات اولیاء اور نفاذ نظام مصطفیٰ ﷺ کے لئے کوشش کرے۔ سنیت کی مردم شماری کرائیں District Level پر۔

سوال:۔ بیعت کس سے اور کتنی عمر میں کی؟

جواب:۔ بیعت اپنے والد گرامی حضرت سلطان غلام میراں سے کی۔ 17 سال کی عمر میں۔ اس وقت کراچی میں پڑھتا تھا۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے والد یا تایا جان کی بیعت کروں، پھر ذہن میں یہ آیا کہ ان دونوں میں سے جو خود کہیں گے ان سے بیعت کروں گا پھر میرے والد گرامی کراچی تشریف لائے تو میں نے ان کا بیگ اٹھایا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کے فرمایا بیٹا جو تمہارے دل میں ہے وہ مجھے پتہ چل گیا ہے تمہیں بیعت کروں گا لیکن میری ایک شرط ہے کہ تمہیں روحانیت کی خدمت کرنی پڑے گی۔ تمہارے ذہن میں دنیاداری کے جو بڑے بڑے Plan ہیں یہ چھوڑنے پڑیں گے۔ میں نے وعدہ کیا کہ امتحان دینے کے بعد میں حاضر ہو جاؤں گا۔ امتحان کے بعد اوستہ محمد میں بیعت ہوا۔ اسی دن خلافت بھی عطا ہوئی۔

سوال: آپ کے پسندیدہ خطیب؟

جواب: علامہ سید ریاض حسین شاہ۔ جن کی تقلید کرتے ہوئے مجھے فخر محسوس ہوتا ہے۔

سوال: آپ نے کبھی عملی طور پر سیاست میں حصہ لیا؟

جواب: نہیں۔

سوال: علماء و مشائخ کے سیاست میں حصہ لینے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: علماء و مشائخ کا حق بنتا ہے کہ وہ اب میدان عمل میں آجائیں۔ میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ مشرف دور میں مجھے نگران حکومت میں تعلیم اور مذہبی امور کی وزارت مل رہی تھی۔ میں نے مرکزی ناظم اعلیٰ علامہ سید ریاض حسین شاہ کو خط لکھا کہ میں وزارت قبول کروں یا نہیں۔ تو انہوں نے مجھے پیغام بھجوایا کہ اگر آپ وزارت قبول کریں گے تو پھر جماعت کے صوبائی عہدے سے مستعفی ہونا پڑے گا۔ یہ جواب سن کر میرے ضمیر نے مجھے کہا کہ سب سے افضل دین اور جماعت کی خدمت ہے، اس لئے وزارت کی خاطر جماعت چھوڑ دوں ضمیر نے اجازت نہیں دی۔ اس لئے میں نے وزارت قبول کرنے سے معذرت کر لی۔

لیکن آج موجودہ صورتحال میں جب تک ہم سیاست میں نہیں آئیں گے کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ گستاخان رسول کی سازشیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایوانوں میں وہ پہنچ کر گورنمنٹ کو بلیک میل کر رہے ہیں اپنے مفادات حاصل کر رہے ہیں اور اپنے گستاخانہ عقائد کو تقویت دے رہے ہیں۔ ایسی صورت حال میں علماء و مشائخ کا سیاست میں آنا لازم ہے۔

سوال: مرشد میں کیا کیا صفات ہونی چاہیں؟

جواب: مرشد ہوتا ہی وہ ہے جو مجمع صفات ہو جو مجمع صفات نہ ہو وہ مرشد ہو نہیں سکتا اور مرید کبھی بھی عیب تلاش نہ کرے مرشد میں یا پھر مرشد نہ بنائے۔ یہ طریقت کے اسلوب کے خلاف ہے

سوال: مرید کے شیخ پر کیا حقوق ہوتے ہیں اور شیخ کے مرید پر کیا حقوق ہوتے ہیں؟

جواب: مرید کے شیخ پر وہ حقوق ہیں جو اولاد کے اپنے والدین پر ہیں اور شیخ کے وہ حقوق ہیں جو والدین کے اپنی اولاد پر ہیں۔

سوال: کیا کبھی جیل بھی جانا ہوا؟

جواب: یہ نعمت ابھی تک نصیب نہیں ہوئی۔

سوال: شادی کب ہوئی اور اپنے بچوں کے بارے میں بتائیں؟

جواب: 1990ء میں پہلی شادی 2006ء میں دوسری شادی۔ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔

سوال: زندگی میں کبھی کسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب: جماعت اور مسلک کے لوگوں کو ٹوٹ پھوٹ کا شکار دیکھتا ہوں تو ناکامی کا خوف ہوتا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سوال: تنظیمی سفر میں کیا کیا مشکلات دیکھیں؟

جواب: تنظیمی سفر میں بے انتہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی اپنوں کی طرف سے۔ ''اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پہ بجلیاں''۔ الحمدللہ غیروں سے کبھی نہیں ڈرا۔ ہزاروں مخالفین بیٹھے ہوں تو ان کے سامنے جرأت کے ساتھ بولنے میں خوشی ہوتی ہے۔

سوال: سنی سیکریٹریٹ کے قیام کے حوالے سے آپکی کیا رائے ہے؟

جواب: میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ نے اتنا اہم سوال ابھی تک مجھ سے کیوں نہیں پوچھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے جماعت اہل سنت کے کئی نشیب و فراز دیکھے۔ وہ دور بھی سامنے ہے جب میں ضلع نصیر آباد کا کنوینیئر پھر صدر بنا، پھر اس کے بعد جماعت دو تین لخت ہوئی وہ حالات بھی دیکھے جب جماعت ایک ہوئی۔ جب سے صوبائی عہدے پر آیا اجلاسوں میں حاضر ہوتا رہا۔ پہلے پہل جب حزب الاحناف لاہور میں اجلاس ہوتا تھا تو ہم کوئٹہ سے دور دراز کا سفر کر کے آتے تو یہاں دیکھتے کہ صرف 20 تا 30 لوگ اجلاس میں موجود ہوتے اور پھر ہر آدمی ایک دوسرے کی طرف دیکھتا تھا کہ چائے کون منگوائے۔ یہ وہ تلخ حقائق ہیں جو ہم پر بیتے ہیں۔ اس وقت اجلاس کے بعد ہم سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا کہ آپ لوگ کہاں رہ رہے ہو۔ جاؤ گے کس طرح۔ کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ 1996ء میں میر باز ٹوٹا ہوا تھا۔ اجلاس کا لیٹر موصول ہو گیا۔ میری گاڑی ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ورکشاپ میں تھی۔ میں نے نئی کار خریدی اور کوئٹہ سے اجلاس میں شرکت کے لئے اپنے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ ہم اجلاس میں پہلے پہنچے اجلاس والے بعد میں آئے، اجلاس کے اختتام پر چائے پلائی گئی پھر اسی وقت ہم واپس کوئٹہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

یہاں کوئی سنی بھائی ایسا نہیں تھا جو یہ مشورہ دے دیتا کہ آپ تھکے ہوئے آئے ہیں میرے پاس تھوڑی دیر آرام کر لیں میرے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ علامہ سید ریاض حسین شاہ کو عمر دراز عطا فرمائے ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ شاہ جی کے آنے سے سنیت کو ایک نئی جہت ملی۔ جب یہ ناظم اعلیٰ بنے تو سب سے پہلے یہ کہا کہ ہمارے پاس اپنی چھت نہیں ہے۔ ایک تو اتفاق مسجد میں اجلاس شروع ہوئے اور ان میں باقاعدہ مہمانوں کی تواضع کی جانے لگی اور کوئٹہ اور دیگر دور دراز کے علاقوں سے آنے والے مہمانوں کے لئے رہائش کا انتظام بھی کیا جانے لگا۔ اس کے بعد جب سنی سیکریٹریٹ کی زمین لی گئی اس وقت بھی میں شامل تھا۔ سنگِ بنیاد کے وقت بھی موجود تھا اور آج اللہ نے یہ دن بھی دکھایا ہے کہ سنی سیکریٹریٹ میں اپنی چھت تلے اجلاس ہوتا ہے اور ڈیڑھ دو سو کے لگ بھگ لوگ شریک ہوتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ جماعت کا کوئی وجود بھی ہے۔ سنی سیکریٹریٹ بنا تو ہماری بنیاد بنی۔ سنی سیکریٹریٹ نے ہمیں آگے آنے کا جذبہ دیا، ہمیں یکجا کیا اور نئی زندگی دی۔ جماعت دو لخت ہونے کے باوجود آج اگر جماعت اہل سنت مضبوط ہے تو اس کی اصل وجہ سنی سیکریٹریٹ ہے۔ میری یہ تجویز ہے کہ چاروں صوبوں میں صوبائی سنی سیکریٹریٹ ہونے چاہییں اور ہر ڈسٹرکٹ میں بھی۔

سوال: ملک کی موجودہ بدترین سیاسی حالت اور امن عامہ کے خراب ہونے پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

جواب: جو ہر ذی شعور کا ہے وہی میرا بھی ہے۔ اس وقت جب موت کا خوف سر پر سوار ہے۔ موت و حیات کی کشمکش میں ساری قوم مبتلا ہے۔ اس وقت ایسا مسیحا چاہیے جو موت سے نہ ڈرتا ہو اور عوام میں آ کر ان کی دلجوئی کرے۔ عوام میں غیرت، جذبہ اور سچائی ہے لیکن عوام قائد کی تلاش میں ہے۔

سوال: ان حالات کا ذمہ دار کن لوگوں کو سمجھتے ہیں؟

جواب: حکومتی ایوان میں بیٹھنے والے پھر حزب اختلاف میں بیٹھنے والے اور پھر وہ لوگ ذمہ دار ہیں جو اس صورتحال پر خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں جن میں خود بھی شامل ہوں۔

سوال: کیا کوئی شخص آپ کے ہاتھ پر مسلمان بھی ہوا؟

جواب: الحمدللہ 87 لوگ مسلمان ہوئے جن میں 9 عیسائی، 22 اوڈھ بقایا تمام ہندو ہیں۔ ان میں سے ایک ہندو کا نام غلام رسول رکھا جیکب آباد میں اور وہ نعت گو شاعر ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ شاعر اور پسندیدہ شعر کون سا ہے؟

جواب: صوفیاء میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی ابیات میں سے دو مجھے بہت پسند ہیں۔

بے بسم اللہ اسم اللہ دا
اے وی کہنا بھارا ہو
نال شفاعت سرور عالم
چھٹسی عالم سارا ہو

(2)

اے تن رب سچے دا ہجرہ
وچ پا فقیرہ چاتی ہو
نہ کر منت خواج خضر دی
تیرے اندر آب حیاتی ہو

سوال: آپ کے نزدیک زندگی کی تعریف کیا ہے؟

جواب: فلسفیانہ سوال ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ "جو اپنے نفس کو پہچان جاتا ہے اس سے کبھی غلطی نہیں ہوتی" ایسے بندے کو اپنی زندگی کا مقصد پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ پاک نے اسے کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔

سوال: زندگی میں کس چیز کی کمی بہت محسوس کرتے ہیں؟

جواب: سنیت میں Unity کی کمی بہت محسوس کرتا ہوں۔ اللہ نہ کرے کہ مرتے دم تک یہی صورتحال دیکھتا رہوں۔ اللہ کرے اتحاد ہو جائے اور سنی ایک ہو جائیں۔

سوال: آپ کی زندگی کا خوبصورت ترین دن کون سا ہے؟

جواب: 1989ء میں والد محترم کے ساتھ پہلی مرتبہ مدینہ شریف روضہ مبارک پر حاضری۔ مرشد بھی ہو۔ والد بھی ہو اور پھر حضور ﷺ کی بارگاہ بھی ہو اور اس وقت میں والد محترم کے خوف سے جالی مبارک کے قریب نہیں جا رہا تھا۔ میں نے عرض کی کہ میں تڑپ رہا ہوں کہ جالی مبارک کو بوسہ دوں۔ انہوں نے فرمایا یہاں کوئی قید نہیں ہے نہ والد کا احترام نہ پیر کا۔ سب سے بڑی آقا ﷺ کی ذات ہے جو من میں آئے کرو۔ پھر میں جالی مبارک سے لپٹ گیا۔ بوسہ بھی دیا۔ سینہ بھی لگایا۔ لیکن اب مجھے موقع بھی ملتا ہے تو میں ہاتھ بھی نہیں لگاتا کہ خوف آتا ہے کہ میں اتنا پلید اور نجس ہوں کہ میں کون ہوتا ہوں کہ آقا کی جالی مبارک کو ہاتھ لگاؤں۔

سوال: قیام پاکستان کے بعد کون سا دور حکومت اچھا رہا؟

جواب: جتنے دور میرے سامنے گزرے ان کو تو میں اچھا نہیں کہوں گا البتہ سنا ہے جنرل ایوب کا دور بہت اچھا تھا۔ میں نے دیکھا نہیں ہے۔

سوال: دیہات اچھے لگتے ہیں یا شہر؟

جواب: دیہات۔

سوال: اگر کوئی شخص بار بار سمجھانے پر بھی نہ سمجھے تو کیا کرتے ہیں؟

جواب: خود سمجھ جاتا ہوں۔

سوال: پہاڑ، ریگستان یا جنگل کیا اچھا لگتا ہے۔

جواب: پہاڑ۔

سوال: چاندنی کیسی لگتی ہے؟

جواب: بہت اچھی۔

سوال: کامیابی کے لئے کس بات پر یقین رکھتے ہیں؟

جواب: خلوص، اعتقاد اور ایمان کی مضبوطی پر۔

سوال: دعا کی قبولیت کا وقت ہو تو اللہ سے کیا مانگیں گے؟

جواب: گناہوں کی بخشش اور اللہ کی محبت۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سوال: پسندیدہ رنگ؟

جواب: سبز۔

سوال: پسندیدہ پھول؟

جواب: گلاب۔

سوال: پسندیدہ جانور؟

جواب: گھوڑا۔

سوال: پسندیدہ پرندہ؟

جواب: قمری۔

سوال: پسندیدہ پھل؟

جواب: آم۔

سوال: پسندیدہ ملک؟

جواب: پاکستان۔

سوال: پسندیدہ لیڈر؟

جواب: علامہ سید ریاض حسین شاہ۔ ان کے علاوہ کسی کو لیڈر نہیں مانا۔

سوال: پسندیدہ حکمران؟

جواب: ذوالفقار علی بھٹو۔

سوال: پسندیدہ کھیل؟

جواب: ہاکی۔

سوال: پسندیدہ کھلاڑی؟

جواب: سلیم اللہ اور کلیم اللہ۔

سوال: مشروب کون سا پسند ہے؟

جواب: پائن ایپل کا جوس۔

سوال: کتاب؟

جواب: قرآن مجید۔

سوال: لفظ کون سا پسند ہے؟

جواب: محمد ﷺ

سوال: سواری کون سی پسند ہے؟

جواب: گھوڑا اور عام طور پر جو مل جائے بہرحال زمین سے اوپر ہو۔

سوال: کالم نویس کون سا پسند ہے؟

جواب: جو سچائی لکھنے والا ہو اور خود بھی اس پر قائم رہے۔

سوال: اخبار کون سا پسند ہے؟

جواب: مشرق۔

سوال: تنہائی اچھی لگتی ہے یا محفل؟

جواب: تنہائی زیادہ پسند کرتا ہوں لیکن کبھی تنہائی ملی نہیں۔

سوال: کسی ایسی شخصیت کے ساتھ ملاقات جو آج تک آپ نہ بھولے ہوں؟

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

جواب: ایک مرتبہ ملاقات ہوئی ایک بزرگ سے میر پور خاص میں بابا عبدالحلیم۔ صاحبِ کشف تھے۔ تنہا رہتے تھے۔ ان کی محفل سے اٹھنے کا جی نہیں کرتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ولی نظر نہیں آتے میں کہتا ہوں ولی موجود ہیں لیکن ہماری آنکھ دیکھنے والی نہیں ہے۔

سوال: انسانی زندگی کے بارے میں آپ کا کیا تجزیہ ہے کہ اس میں انسانی اختیار اور ارادے کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: انسانی اختیار کی کچھ اہمیت نہیں ہے لیکن ارادے مصمم ہوں تو اللہ تعالیٰ منزل عطا کر دیتا ہے۔

سوال: دوستی کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے۔ دوست کسے کہتے ہیں کیا اس دور میں دوست موجود ہیں؟

جواب: دوستی لازوال رشتہ ہے۔ دوست اس کو بنایا جائے جو اس قابل ہو۔ جو خود پر خلوص ہو اسے پر خلوص دوست مل جاتے ہیں۔

سوال: دلیل راہ کے قارئین کے لئے کوئی پیغام؟

جواب: آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو شاہ جی کی شفقت اور سرپرستی نصیب ہے۔ جو کچھ حاصل کرنا ہے کر لیں۔ آپ کے پاس کروڑوں نعمتیں شاہ جی کی صورت میں موجود ہیں۔ شاہ جی بہتا ہوا سمندر ہیں جس میں کئی گوہر ہیں۔ تلاش کر کے ان کو سمیٹ لیں۔ یہ آپ کے لئے بہت بڑا اعزاز ہوگا اور آگے چل کر آپ کو یہی کام آئے گا۔

سوال: کوئی ایسی بات جو آپ ہمارے سوال کے بغیر ہی کرنا چاہیں؟

جواب: میری نظر میں جماعت اہل سنت میں علامہ سید ریاض حسین شاہ ایک زیرک انسان ہیں۔ میں ان کے ساتھ وفا کا کہوں گا اور پھر سب سے بڑی بات سادات کی جو خاصیتیں میں نے پڑھی ہیں وہ تمام کی تمام شاہ جی میں موجود ہیں۔ ان کی وجہ سے جماعت کو بہت ترقی ملی۔ دوسری بات خانقاہوں والے میدان عمل میں آئیں۔

نکل کر خانقاہ سے ادا کر رسم شبیری

☆☆☆

WWW.NAFSEISLAM.COM

الدین النصیحہ

اسلامی معاشرت کی مضبوط بنیاد

سید ریاض حسین شاہ

عن تمیم الدارمی ان النبی ﷺ قال الدین النصیحة قلنا لمن قال لله ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم
(رواہ مسلم کتاب الایمان حدیث نمبر:104)

حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کی کس کے لئے خیر خواہی؟ فرمایا اللہ کے لئے، کتاب اللہ کی، رسول اللہ اور ائمہ مسلمین کی اور عام مسلمانوں کی''۔

حضرت جریر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول انور ﷺ سے نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے پر بیعت کی ہے۔

اللہ کے لئے خیر خواہی کا مطلب اس کی ذات پر ایمان اور اس کی صفات کو تسلیم کرنا ہے۔ توحید کا علم پانا اور پھر اس علم کو یقین کے درجے تک پہنچا دینا ہے۔

حضرت شبلی فرمایا کرتے تھے کہ:

''جو شخص علم توحید کا ذرہ برابر حصہ بھی پالیتا ہے تو وہ ایک کھٹمل کا بوجھ بھی برداشت نہیں کرسکتا''۔

امام قشیری فرماتے ہیں کہ:

''توحید تین طرح مانی جاتی ہے: ایک تو اللہ کے بارے میں علم رکھنا کہ وہ ایک ہے اور اس کے بارے میں بتانا کہ وہ ایک ہے دوسرا اللہ کا یہ بتانا کہ میرا فلاں بندہ موحد ہے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ بندوں کا جان لینا کہ اللہ واحد ہے''۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''توحید کا علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یقینی وحدانیت کو اس کی کمال احدیت کے ساتھ تنہا سمجھنا اس طرح کہ اس نے نہ تو کسی کو جنا، نہ اسے کسی نے جنا، نہ اس کی کوئی ضد، نہ مقابل، نہ کسی سے تشبیہ، نہ کسی کیفیت میں، نہ صورت میں اور نہ ہی اس کی کوئی مثال دی جاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے لیے خیر خواہی میں اس کے احکام پر عمل بھی شامل ہے۔ دور اس نگاہ سے دیکھا جائے تو اللہ کے لیے خیر خواہی دراصل بندے کی اپنے لیے ہی خیر خواہی ہوتی ہے۔

کتاب اللہ سے خیر خواہی کے بھی چند درجے ہیں۔ سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ ایمان لایا جائے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اپنے آپ کو مستعد بنایا جائے کہ اس کتاب کا علم میں نے سیکھنا ہے اور یہ بھی ایک دفعہ سیکھ لینا ہی کافی نہ جانا جائے بلکہ اس کی تلاوت اور اس کے پیغامات کو سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کی جائے۔ کتاب کو پیٹھ کے پیچھے نہ پھینکا جائے۔ اس کی عزت کی جائے اور آیات میں غور وفکر کرکے جس چیز سے کتاب منع کرے اس سے باز آیا جائے اور جو کچھ یہ کتاب کرنے کا کہے اس کی دعوات پر لبیک کہی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر خواہی کا مطلب بھی آپ کے رسول ہونے پر ایمان لانا ہے۔ آپ کی اتباع اور اطاعت کو ذریعہ فلاح جاننا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے خیر خواہی کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ سے پیار اور محبت کی جائے۔ آپ کی توقیر اور تعظیم کو ایمان کا حصہ تصور کیا جائے۔ جتنا ممکن ہو آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھا جائے۔ جو لوگ حضور ﷺ کے گستاخ ہیں ان کی دشمنی اور جو آپ سے پیار کرنے والے ہیں ان کی دوستی کو منشور حیات بنایا جائے۔

ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کا نظام حکومت اور نظام امارت سمجھا جائے۔ وہ مسلمان حکمران جن کا نام تو مسلمانوں والا ہو لیکن وہ یہودیوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں کی دلیز کے زرخرید غلام بن چکے ہوں، ہو سکے تو انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے، انہیں نظام مصطفےٰ کی طرف بلائے، صدق کی راہ پر انہیں چلنے کی تلقین کرے۔ ہاں اگر حکمران مسلمان ہوں کتاب اللہ اور سنت خیر الانام کے مطابق امور عامہ چلانے کے پابند ہوں تو ایسے لوگوں کی اطاعت کی جائے۔ اس کی امارت کو مضبوط بنایا جائے۔ ایسے لوگوں کے خلاف بغاوت نہ کرے۔

ائمہ مسلمین میں مجتہدین، علمائے راسخین اور مشائخ عظام بھی آتے ہیں۔ ان کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی عزت کی جائے، ان کی تکریم اور توقیر دین ہی کی تکریم ہوگی۔ ان کی خدمت اور مساعدت دین کی تعلیمات میں مساعدت ہوگی۔ ان کا کہا مانا جائے۔ یہ جواذکار تلقین کریں ان سے روشنی حاصل کی جائے، ان میں سے کوئی صاحب عقیدہ، صاحب سوز، صاحب نظر، صاحب عمل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صاحب سند اور نسبت تلاش کرکے اس کی صحبت اختیار کی جائے اور وہ لوگ علوم اور معارف کا جو سرمایہ چھوڑیں اس سے استفادہ کیا جائے، اگر علماء ہوں تو

ان کے فتاویٰ اور مواعظ پر عمل کر کے اللہ کی رضا طلبی کا سفر تیز سے تیز تر کیا جائے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان سے ہمدردی کی جائے۔ ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھا جائے۔ انہیں تکلیف اور اذیت سے بچایا جائے۔ خود تکلیف برداشت کر لی جائے لیکن ان کے دلوں کے نازک آبگینے توڑے نہ جائیں۔ اگر اللہ سمجھ کا نور عطا فرمائے تو دوسروں کو دعوت خیر دی جائے۔ انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کی سعی کی جائے۔ غیبت، چغلی، حسد اور بغض ایسے کریہہ معاملات سے انہیں محفوظ کیا جائے۔ ان کے عیبوں کی پردہ پوشی کر کے ہو سکے تو ہر ایک کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے اور مسلمانوں کے جان، مال اور عزت کی حفاظت کو زندگی کا لائحہ عمل بنالے۔

چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت کی جائے۔ کمزوروں، ضعیفوں، بوڑھوں، خواتین اور بچوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا جائے۔ ماں، باپ، استاد، مشائخ اور منصوبوں پر دیانت سے کام کرنے والوں کا ادب کیا جائے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے کتنی خوبصورت بات کی تھی:

''کوئی شخص عمر، علم اور مرتبے میں کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو تین افراد کے سامنے بڑا نہیں ہوتا استاد، قاضی اور اپنے والدین کے سامنے''۔

عامۃ المسلمین کی خیر خواہی کرنے والا شخص ہی حقیقۃً صاحبِ عزت ہوتا ہے۔

اللہ کرے مسلمان خیر خواہی کے منشور پر دل و جان سے عمل پیرا ہو جائیں۔

☆☆☆

آج جب کہ اتحاد کے نام پہ انتشار، اجتہاد کے نام پہ فساد، تحقیق کے نام پہ گمراہی، توحید پرستی کے نام پہ اسلاف دشمنی اور عقل پسندی کے نام پہ نفس پرستی کا دین عام ہو رہا ہے، دانش وبصیرت کے نام پہ جہالت وضلالت بانٹی جا رہی ہے، نئی روشنی کے نام پہ پرانی تاریکیاں پھیلائی جا رہی ہیں، تاریخ اسلامی کی مسلمہ شخصیات کے افکار وکردار کو مشکوک بنایا جا رہا ہے تا کہ عہدِ نو کے فکری جانشینوں کا قد کاٹھ اونچا کیا جا سکے، ضرورت ہے کہ ملت اسلامیہ کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے اس کے ہر مردہ حال کو تابناک ماضی سے مربوط کیا جائے۔ نسلِ نو کو سلف صالحین کی روشن تعلیمات سے متعارف کرایا جائے۔ دنیا پرستی اور نئی تہذیب کی چکا چوند میں گم ہو کر بے نام ہونے کے اندیشوں سے دوچار قوم کو اثبات ایمان، تفقہ فی الدین، حصول علم اور استقامت عمل کی راہ پر ڈال دیا جائے۔ متعصب و بے دین مستشرقین اور گمراہ محققین کے گمراہ اور تشکیک انگیز نظریات کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ عنھم کی درسگاہوں سے وابستہ کر دیا جائے تا کہ وہ پیغمبر علم ومعرفت، حکیم انسانیت، معلم آدمیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ عظمیٰ تک رسائی حاصل کر سکیں۔

یوں تو سارے کے سارے ائمہ دین عظیم ومحترم ہیں مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد اپنی مثال آپ ہے۔ اگر باقی امام آسمانِ فقاہت کے درخشندہ ستارے ہیں تو ابوحنیفہ ماہِ کامل ہیں، اگر دیگر امام علم وحکمت کے بہتے دریا ہیں تو امام اعظم وہ منبع اور سرچشمہ ہیں جہاں سے یہ سوتے پھوٹتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ ہستی ہیں جنہیں خیر القرون کی پہلی صدی میں آنکھ کھولنے کا شرف حاصل ہے۔ سرکار رحمت مآب ﷺ کا ارشاد نور ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم "میرا زمانہ سارے زمانوں سے بہتر ہے اور پھر جو اس سے متصل ہے اور پھر جو اس سے متصل ہے"۔۔۔۔ جانتے ہیں کہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ اس طرح انہیں تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے آقا ومولا محمد رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ذیشان کا فیض بھی حاصل ہے۔ جس میں ارشاد ہوا طوبی لمن رانی و امن بی وطوبی لمن رأ من رأنی "یعنی خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے اسے دیکھا جس نے مجھے دیکھا"۔ امام اعظم نے ایک دو کو نہیں دس صحابہ کرام کو دیکھا اور بعض سے احادیث سنیں اور روایت بھی کیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مراد حدیث رسول ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا لو کان العلم بالثریّا لتناولہ رجال من ابناء فارس "اگر علم ثریا پہنچ جائے تو فارس کے جواں مردوں میں ایک جواں ضرور اس تک پہنچ جائے گا"۔ (روایت جناب ابوہریرہ بحوالہ ابونعیم)

۔۔۔۔۔۔۔یا

لو کان الایمان عند الثریّا لتناولہ رجال من فارس "اگر ایمان ثریا کے نزدیک پہنچ جائے تو مردان فارس اس تک ضرور پہنچ جائیں"۔ (روایت ابوہریرہ بحوالہ صحیح للبخاری وصحیح للمسلم)۔۔۔۔۔۔۔یا

لو کان الدین معلقاًبالثریّا لتناولہ ناس من ابناء فارس "یعنی اگر دین ثریا میں معلق ہو جائے تو یقیناً مردان فارس کے لوگ اسے حاصل کر لیں گے"۔ جلیل القدر محدث علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس فرمان رسول سے مراد بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

بعض شخصیات ہمہ جہت صفات سے متصف ہوتی ہیں لیکن انہیں کسی ایک صفت میں زیادہ کمال حاصل ہوتا ہے یا ان کی وجہ شہرت کوئی ایک صفت معروف ہوتی ہے باقی صفات پردہ اخفا میں رہتی ہیں۔ امام اعظم بھی ایسی ہی پہلو دار شخصیت ہیں۔ عابد شب زندہ دار، زاہد خدا مست، فقیر بے ریا اور متقی وپرہیزگار اور ولی کامل ہیں۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جیسے صوفیاء کے استاد ہیں مگر ان کی وجہ شہرت تصوف نہیں ہے، حافظ حدیث ہیں، چالیس ہزار احادیث سے آپ نے حدیث کی اولین کتاب "کتاب الآثار" کو مرتب فرمایا۔ آپ سے روایت حدیث اخذ کرنے والوں کی تعداد ۲۲۴ بنتی ہے۔ امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث آپ کے شاگرد ہیں مگر اس کے باوجود آپ کی شہرت علم حدیث نہیں ہے۔ جس صفت کی وجہ سے آپ کی شہرت کو دوام حاصل ہوا وہ آپ کی فقاہت ہے۔ انسانی زندگی کو درپیش سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عائلی مسائل کے حل کے لئے آپ نے قرآن وسنت کی روشنی میں ایسی جامع قانون سازی فرمائی کہ فقہ حنفی صدیوں تک اسلامی حکومتوں میں قانون کے طور پر رائج رہا۔

ذرا غور فرمایئے! کیا علم فقہ میں اوج کمال حاصل ہونے کی وجہ سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ حدیث کے میدان میں پیچھے ہوں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ لاکھوں مسائل کے حل پر مشتمل مسائل کی تخریج اور۔۔۔۔ علم حدیث میں کمال دسترس کے بغیر ممکن ہی نہ تھی۔ اب ضد، تعصب یا حسد کا کیا علاج ہے کہ بعض ناقدین آپ کو علم حدیث میں کمزور ثابت کرنے کی سعی ناکام کرتے ہیں اور آپ پر حدیث کے

WWW.NAFSEISLAM.COM

مقابلے میں اپنی رائے پر عمل کرنے کا الزام دھرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں حدیث کی تعریف بھی نہیں آتی وہ کوچہ و بازار میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علم حدیث پر طعن کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ محدثین کرام آپ کی حدیث دانی کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری کے حوالے سے آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی کثیر تعداد سے اخذ فیض کرنے کے بارے میں رقم طراز ہیں:

و فی فتاوٰی شیخ الاسلام ابن حجر (العسقلانی) انه ادرك جماعةً من الصحابة كانوا بالكوفةبعد مولده بها سنة ثمانين وهو من طبقةالتابعين ولم يثبت ذالك لا حت من ائمه الا مصار المعاصرين له كالاوزاعی باالشام والحمادين با البصرة والتوزی بالكوفة و مالك باالمدينة الشريفة والليث بن سعد بمصر۔

''شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کے فتاوٰی میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک کثیر جماعت کو پایا ہے جو ۸۰ھ میں آپ کی پیدائش کے بعد کوفہ میں موجود تھے، لہٰذا آپ طبقۂ تابعین میں شامل ہیں جب کہ یہ فضیلت آپ کے مختصر علاقوں سے تعلق رکھنے والے ائمہ میں سے مثلاً شام میں امام اوزاعی، بصرہ میں حماد بن سلمہ، حماد بن زید، کوفہ میں سفیان ثوری، مدینہ شریف میں امام مالک اور مصر میں سعد بن لیث کے لئے ثابت نہیں ہوسکی''۔

امام عبداللہ بن داؤد الخریبی لکھتے ہیں:

يجب على اهل الاسلام ان يدعوالله لابی حنيفه فی صلٰوتهم و ذكر حفظه عليهم والسنن والفقه۔

''اہل اسلام پر لازم ہے کہ اپنی نماز میں امام اعظم ابوحنیفہ کے حق میں دعا کیا کریں کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لئے سنن اور فقہ کو محفوظ کر دیا''۔

امام محدث فقیہ اور قاضی ابوعبداللہ حسن بن علی الصمری حضرت امام شافعی کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

من لم ينظر فی كتب ابی حنيفه لم يتبحر فی الفقه

''جو شخص امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرے وہ فقہ میں تبحر نہیں ہوسکتا''۔

خطیب بغدادی نے امام شافعی کا قول یوں نقل کیا ہے:

من اراد ان يصرف الفقه فيلزم ابا حنيفة واصحابه فان الناس كلهم عيال عليه فی الفقه''

جو شخص فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا دامن لازمی تھامے کیونکہ لوگ سب کے سب فقہ میں ان کے محتاج ہیں''۔

محدث کبیر امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

كنت عند مالك بن انس فدخل عليه رجل فرفعه ثم قال أتدرون من هذا؟حين خرج ؟قالوا لا و عرفته انا فقال هذا ابو حنيفه العراقی لو قال هذا لاسطوانة ذهب لخرجت كما قال لقد وفق له الفقه حتی ما عليه فيه كبير حونة

''میں امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا، آپ اس سے ادب و احترام سے پیش آئے، پھر جب وہ شخص چلا گیا تو شاگردوں سے پوچھا کیا تم جانتے ہوں کہ یہ کون تشریف لائے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں (عبداللہ بن مبارک) نے ان کو پہچان لیا۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا یہ عراق کے ابوحنیفہ تھے۔ ان کے علمی پایہ اور زور استدلال کا یہ عالم ہے کہ اگر کہہ دیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو وہ ویسا ہی نکل آئے جیسا کہ انہوں نے کہا ہو۔ ان کو مہارت فقہ کی توفیق دی گئی ہے۔ ان پر اس کے مسائل کو حل کرنا دشوار نہیں''۔

امام محدث اور فقیہ سفیان بن عیینہ کا قول امام شمس الدین محمد الذھبی الشافعی نے یوں روایت کیا ہے:

ما سقلت عينی مثل ابی حنيفه۔

''میری آنکھ نے علم فقہ میں ابوحنیفہ کا مثل نہیں دیکھا''۔

امام ذھبی شافعی نے امام عبداللہ بن مبارک کا ایک قول یوں نقل کیا:

اگر حدیث معلوم ہو اور اجتہادی رائے معلوم کرنا ہو تو یہ رائے امام مالک، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ کی لینی چاہیئے اور امام ابوحنیفہ کی نظر عقل و ذہانت کے اعتبار سے ان سب سے زیادہ بہتر اور دقیق تر ہے اور فقہ میں زیادہ گہری ہے اور وہ تینوں میں زیادہ فقیہہ ہیں۔

امام بخاری کے استاد امام الجرح والتعدیل یحیٰ بن معین فرماتے ہیں:

القرأة عندی قرأة همزة و الفقه فقه ابی حنیفه

''قرأت میرے نزدیک ہمزہ کی قرأت اور فقہ امام ابوحنیفہ کی فقہ ہے''۔

امام شافعی کے استاد امام وکیع فرماتے ہیں:

ما لقیت احدا افقه من ابی حنیفة

''میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہہ کسی کو نہیں دیکھا''۔

امام محمد بن حسن الشیبانی جو امام شافعی کے استاد ہیں، فرماتے ہیں:

کا ن ابو حنیفة واحد زمانه

''امام ابوحنیفہ یکتائے روزگار تھے''۔

امام احمد بن حنبل کے شیخ امام محدث شیخ الاسلام یزید بن ھارون فرماتے ہیں:

کا ن ابو حنیفه ۔۔۔۔۔۔احفظ اهل زمانه سمعت کل من ادر کته من اهل زمانه یقول انه ما رأی افقه منه

''امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے حدیث کے حافظ تھے آپ کے معاصر علماء میں جس جس کو میں نے پایا یہی کہتے سنا کہ اس نے آپ سے بڑا کوئی فقیہہ نہ دیکھا''۔

اس قدر کثیر اقتباسات کے بعد آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علم حدیث میں امام اعظم کا پایہ بہت بلند تھا۔ اگر ان کے فن حدیث میں ذرا بھی ضعف ہوتا تو اتنے کبار محدثین اور امام ان کی شان میں خراج عقیدت پیش نہ کرتے۔ اب صحاح ستہ کے مصنفین کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کس طرح اس امام اماں کی برکات سے مستفید ہوئے ہیں۔ امام بخاری کے استاد امام مکی بن ابراہیم اور عبدالرزاق بن ہمام ہیں اور یہ دونوں امام اعظم ابوحنیفہ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ امام شافعی کے استاد امام محمد بن حسن شیبانی بھی امام ابوحنیفہ کے خاص شاگرد ہیں۔ امام شافعی کے شاگرد امام احمد بن حنبل ہیں اور امام احمد بن حنبل امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد کے استاد ہیں۔ امام نسائی ابن ماجہ بھی اسی سلسلہ سے منسلک ہیں۔

ذرا غور فرمایئے! ہماری مشہور کتب حدیث صحاح ستہ کے تمام جلیل القدر مصنفین حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگردوں کے شاگرد ٹھہرے ہیں تو پھر بھلا علم حدیث میں امام اعظم کے ارفع و اعلیٰ مقام کو کس طرح کم کیا جا سکتا ہے۔

بعض لوگ اس وہم کا شکار ہوتے ہیں کہ جس طرح دیگر موزئین کی مشہور کتب احادیث ہیں اس طرح امام ابوحنیفہ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔ یہ بھی محض ان کا سوئے ظن ہی ہے حالانکہ حقیقت ہے کہ امام اعظم کی ''کتاب الآثار'' جسے آپ نے چالیس ہزار حدیثوں سے مستخب فرمایا، نہ صرف کتب احادیث میں نقش اولین ٹھہرتی ہے بلکہ اس میں مسائل فقہ کی جو ترتیب و تبویب امام اعظم نے اختیار فرمائی ہے اسی کو بعد میں امام مالک نے موطاء امام مالک میں اپنایا ہے اور بعد میں آنے والے محدثین اسی ترتیب کو اپناتے رہے ہیں۔ آپ کی کتاب الآثار کو آپ کے 13 لائق تلامذہ نے روایت کیا ہے جبکہ امام محمد اور امام ابو یوسف کی روایت زیادہ مشہور ہیں۔

اسی طرح آپ کی مسانید بھی معروف ہیں۔ آپ کے ہر شیخ کی مرویات کو آپ کے تلامذہ نے الگ الگ مسند میں جمع فرمایا ان مسانید کی تعداد بھی 15 بنتی ہے۔ مسانید امام اعظم ان نسخوں کو ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر محدث اور امام محمد بن محمود خوارزمی نے یکجا فرمایا وہ فرماتے ہیں:

''میں نے ملک شام میں بعض جاہلوں کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت امام اعظم کی روایت حدیث کم ہے اور ایک نالائق نے امام شافعی کے مسند امام مالک کی موطا اور امام احمد کی مسند کا حوالہ دے کر حضرت امام ابوحنیفہ کی شان میں گستاخی کی، یہ سن کر مذہبی عزت جوش میں آئی کہ میں امام اعظم کی 15۔ مسانید کو ایک مسند میں ترتیب دوں، تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ابواب فقہ کو سامنے رکھ کر مسند ترتیب دی تا کہ جاہل دشمنوں کا وہم دور ہو سکے''۔

اسی مسند امام اعظم کے مقدمے میں امام خوارزمی نے لکھا:

''کہ اجتہاد میں تمام علماء کرام سے پیش قدم، اعتقاد میں سب سے پاکیزہ، ہدایات میں سب سے واضح، طریقے میں سب سے درست، امام الاتم، سراج الامہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں۔ انہوں نے شریعت مطہرہ کے رخ روشن سے نقاب اٹھایا اور فقہ کے ماتھے پر سے ظلمت کی پرچھائیوں کو دور کیا۔ اپنے زمانے کے اہل علم کو آگے بڑھایا، جہاں قدم پھسلنے کا موقع تھا وہاں قدم جمائے اور احکامات کو مضبوط فرمایا۔ اب علماء دریائے نعمان میں غوطے لگا لگا کر بیش بہا نعمتیں حاصل کر رہے تھے''۔

قارئین گرامی!

حدیث پر عمل کے حوالے سے ایک اور مغالطے کا ازالہ بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ شاید امام اعظم حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ اپنے قول پر ضعیف سند والی حدیث کو پھر ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ جس حدیث پر عمل نہیں کرتے وہ ایسی حدیث ہوتی ہے جسے کسی دوسری حدیث سے منسوخ کر دیا ہو گویا وہ ناسخ حدیث پر عمل کرتے ہیں، یا پھر وہ ایسی حدیث کو ترک کرتے ہیں جو کسی سقم کی بنا پر نامقبول ہو اور اس کے مقابلہ میں کسی محکم اور صحیح حدیث لا کر اس پر عمل کرتے ہیں، یا پھر ایسی حدیث جو حضور ﷺ کی کسی خصوصیت پر مبنی ہو اس پر عمل نہیں کرتے جیسے غائبانہ نمازِ جنازہ والی حدیث کہ یہ حضور ﷺ کا خاصہ ہے اور صحابہ کرام کے بقول شاہ نجاشہ کا جنازہ حضور ﷺ کے سامنے موجود تھا۔

اس طرح دیکھا آپ نے کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا کہ امام اعظم کسی حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کرتے ہوں بلکہ وہ تو بڑی باریکی سے احادیث کا جائزہ لے کر صحیح حدیث پر عمل کا حکم دیتے ہیں۔

ایک اور خصوصیت جو امام اعظم کو علم حدیث میں حاصل ہے اس کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، امام بخاری کی صحیح میں ثلاثیات روایات ہیں یعنی جن میں امام بخاری اور حضور ﷺ کے درمیان تین واسطے ہیں۔ ان میں سے 13 روایات صرف امام مکی بن ابراہیم کی روایت سے ہیں اور روایت لینے میں امام اعظم سے گویا امام بخاری کا یہ تفرد بھی امام اعظم کے وسیلہ سے ہے۔ امام مالک کی موطا میں بعض ثنایات ہیں یعنی دو دو واسطے میں لیکن جو امتیاز امام اعظم کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں کہ امام ابوحنیفہ اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا فلاں صحابی سے اور انہوں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے۔

اب سوچئے کہ کیا ایسے راوی کی روایت میں ضعف یا ایسے امام کے علم حدیث میں کمزوری ہو سکتی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشیدہ

☆☆☆

رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم ابوحنیفہ
اور
علم حدیث

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

محبت میں ہے منزل سے بھی خوشتر جادہ پیمائی

رپورٹ: تاجدار صداقت کانفرنس

ڈاکٹر منظور حسین اختر

حضرت سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی ذات گرامی عظمت و بلندی کا وہ مینارہ نور ہے کہ خود آقا حضور ﷺ نے فرمایا: ''میری امت پر واجب ہے کہ میرے صدیق سے محبت کرے''۔ گویا محبت صدیق سے جو سینہ خالی ہوگا وہ محبت رسول کے نور سے جگمگا نہیں سکتا اور جہاں نورِ عشق محمد ﷺ کے جلوے نہ ہوں وہاں محبتِ الٰہی جنم نہیں لے سکتی یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف اکثر و بیشتر جناب سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے ذکر کی محافل سجاتے رہے تا کہ گلشن محبت کی آبیاری ہوتی رہے اور اگلی نسلوں تک یہ پیغام پہنچتا رہے کہ ہمیں سیدنا صدیق اکبر ﷺ سے محبت کرنا ہے، ان کے نقشِ قدم پر چلنا ہے اور ان کے دامنِ صدق و وفا میں پناہ لینی ہے۔

اسی مقصد کے پیش نظر دربار حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے احاطہ میں جماعت اہل سنت صوبہ پنجاب کے زیر اہتمام 12۔جون 2010 کو ''تاجدار صداقت کانفرنس'' کا اہتمام کیا گیا، جس میں جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی امیر جگر گوشہ غزالی زماں پروفیسر پیر سید مظہر سعید کاظمی اور مرکزی ناظمِ اعلیٰ مفسر قرآن، مفکر اسلام پیر سید ریاض حسین شاہ کے علاوہ علامہ قاری خالد محمود، پروفیسر محمد عبدالعزیز نیازی، پیر سید شمس الدین بخاری، صاحبزادہ محمد رفیق شاہ جمالی، ڈاکٹر طاہر رضا بخاری، مفتی محمد رمضان سیالوی، قاری عارف سیالوی، پیر سید ناظم حسین شاہ، علامہ ظفر محمود فراشوی، قاری محمد نذید قادری، قاری فیروز صدیقی، مولانا سلیم ہمدمی، پیر نور الٰہی انور، قاری رب نواز، قاری اسلم نواز سعیدی، و دیگر کثیر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ کانفرنس کے روحِ رواں اور منتظم خطیب عصر حضرت علامہ مفتی محمد اقبال چشتی تھے جبکہ مہمان خصوصی پیر سید اصغر علی گیلانی (چن پیر)، پیر میاں محمد معروف اور پیر انتصار الحق شاہ تھے۔

تلاوت و نعت کے بعد سب سے پہلے ملتان سے تشریف لانے والے علامہ صادق سیرانی نے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا لقب آسمانوں میں عتیق ہے۔ آپ کی صحابیت کا ذکر قرآن میں صراحتاً موجود ہے۔ ناسخ التواریخ میں ہے کہ امام باقر ﷺ سے تلوار پر چاندی کا دستہ لگانے کا سوال کیا گیا تو آپ نے دستہ لگانے کی اجازت دے دی اور فرمایا سیدنا صدیق اکبر نے لگایا تھا، پوچھا گیا کہ آپ بھی صدیق کہتے ہیں تو فرمایا ہاں وہ صدیق ہیں، صدیق ہیں، صدیق ہیں۔

جماعت اہل سنت لاہور ڈویژن کے امیر پروفیسر عبدالعزیز نیازی نے کہا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اگر صدیق اکبر کا نام محبت سے لیا جائے تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ صدیق پر اسلام ناز کرتا ہے۔ ایمان لانا ہے تو صدیق کی طرح لاؤ۔

جماعت اہل سنت پنجاب کے نائب امیر رفیق شاہ جمالی نے کہا کہ حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ کو ہجرت کی رات اپنا ہمسفر بنایا۔ راستے میں سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے حضور ﷺ کو کاندھوں کو اٹھا لیا اور اس حالت میں حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے سر پر تھے، یعنی صدیق اکبر ﷺ کے سر پر حضور ﷺ کا سایہ ہے اور صدیق اکبر حضور ﷺ کی سواری ہیں۔

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا فاروق سلطان نے کہا کہ میرے ابوبکر ﷺ کی محبت اور آپ کا شکر ہر امتی پر واجب ہے۔ صدیق اکبر ﷺ کے ایمان کو اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور باقی سب لوگوں کے ایمان کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو صدیق ﷺ کے ایمان کا پلڑا سب سے بڑھ جائے گا۔

ملتان سے تشریف لانے والے دور حاضر کے معروف خطیب حافظ فارق خان سعیدی نے کہا کہ دنیا میں ایک ارب 30۔کروڑ کے قریب مسلمان پائے جاتے ہیں، مسلمانوں کی کئی حکومتیں ہیں، وسائل و ذخائر ہیں لیکن آج کلمۃ الحق کہنا مشکل ہے، لیکن ساڑھے چودہ سو سال پہلے کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے حضور ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور تبلیغ اسلام کا کارنامہ احسن انداز سے پورا فرمایا۔

جماعت اہل سنت لاہور کے امیر معروف عالم دین، یادگار اسلاف پیر سید شمس الدین بخاری نے کہا کہ ہمیں اللہ کے سب بندوں سے محبت ہے، اہل بیت، صحابہ، اولیاء سب سے ارادت، عقیدت اور محبت ہے۔ اس لئے کہ صحابہ ستارے ہیں، اہل بیت کشتی، کامیابی اسی میں ہے کہ ستاروں پر نظر رکھتے ہوئے اہل بیت کی کشتی پر سوار ہوا جائے، جو صدیق کو نہ مانے وہ لا الہ الا اللہ کا قائل نہیں۔ پیر شمس الدین بخاری کے خطاب کے بعد قاری عبدالغفار نقشبندی نے محبت بھرے انداز سے تلاوت کلام پاک سے حاضرین کو محظوظ کیا اس کے بعد علامہ فیض بخش رضوی نے خطاب کیا انہوں نے کہا کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ سے محبت کرنا اہل ایمان کے ایماندار ہونے کی نشانی ہے۔ سید ضیاء محی الدین قادری الگیلانی نے کہا کہ حضور اللہ کی طرف سے سچ لے کر آئے اور اس سچ کی حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے تصدیق فرمائی۔ صدیق اکبر ﷺ ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہے، اگر حضور مکہ میں ہیں تو صدیق مکہ میں، حضور مدینہ میں ہیں تو صدیق مدینہ میں، حضور بازار میں ہیں تو صدیق بازار میں اور اگر حضور مزار میں ہیں تو صدیق مزار میں بھی ساتھ ہیں۔

جماعت اہل سنت پنجاب کے امیر استاذ العلماء علامہ قاری خالد محمود نقشبندی نے کارکنان کو ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ جماعت اہل

سنت کے لئے وقت اور مال کی قربانی دیں تا کہ مسلک حق اہل سنت و جماعت ترقی پذیر ہو۔ آپ نے شرکاء کو کانفرنس میں شریک ہونے پر خلوص دل سے ہدیہ تبریک پیش کیا۔ اس کے بعد عالم اسلام کے شعلہ بیاں مقرر، جماعت اہل سنت صوبہ پنجاب کے ناظم اعلیٰ اور صداقت اسلام کانفرنس کے روح رواں جناب مفتی محمد اقبال چشتی نے کہا کہ حضرت صدیق اکبر حضور ﷺ کے ساتھ سایہ بن کر رہے۔ انہوں نے فرقہ واریت کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے کہا کہ کچھ لوگوں نے صدیق ؓ کو لیا اور علی کو چھوڑ دیا جبکہ کچھ لوگوں نے علی ؓ کو لیا اور صدیق ؓ کو چھوڑ دیا، انہوں نے کہا کہ صدیق ؓ کو پیار کرو علی ؓ کا امام سمجھ کر اور علی ؓ کا حیا کرو صدیق ؓ کا مولیٰ سمجھ کر۔ انہوں نے کہا کہ مصطفےٰ کریم ﷺ کے ابوبکر ؓ، عمر ؓ، عثمان ؓ و علی ؓ اور سب صحابہ لاجواب ہیں۔ ہمیں سب سے محبت کرنی چاہئے۔

برطانیہ سے تشریف لائے ہوئے عالم اسلام کے مشہور و معروف سکالر علامہ ظفر محمود فراشوی نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فتنوں کی سرکوبی کے لئے محبت اہل بیت بھی ضروری ہے اور محبت صحابہ بھی ضروری ہے۔ یہود و نصاریٰ کی جانب سے گستاخانہ کارروائیوں پر بات کرتے ہوئے علامہ ظفر محمود فراشوی نے کہا کہ یہود و نصاریٰ گستاخانہ خاکوں سے ہماری غیرت کو چیلنج کر رہے ہیں، 23 سالوں میں حضور ﷺ نے جس جماعت کی تربیت کی جناب صدیق ؓ اسی جماعت کے امیر ہیں۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا تھا کہ جس کو اللہ اور رسول نے ہمارے دین کے لئے چنا، ہم نے اپنی دنیا کے لئے اسی کو چن لیا۔ جناب ظفر فراشوی نے کہا کہ دور صدیق اکبر میں مسیلمہ کذاب سے جنگ کے دوران حضرت صدیق اکبر ؓ نے ''یا محمداہ'' کا نعرہ لگوایا۔ جناب علامہ ظفر محمود فراشوی کے خطاب کے بعد جماعت اہل سنت کے زیر اہتمام تقریری مقابلہ میں اول دوم اور سوم آنے والے طلباء میں انعامات بھی تقسیم کئے گئے، جن کے نام ترتیب وار درج ہیں، ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی کے طالب علم عامر عثمان نے مقابلے میں اول پوزیشن حاصل کی، جڑانوالہ سے اعجاز المصطفےٰ نے دوم اور فیصل آباد سے رانا محمد بیدار بخت نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ خصوصی انعام کے حقدار فدا المصطفےٰ قرار پائے۔ اس کے بعد جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ مفکر اسلام مفسر قرآن پیر سید ریاض حسین شاہ کو مفتی محمد اقبال چشتی نے دعوت خطاب دی۔ سارا مجمع گویا ہمہ تن گوش ہو گیا شاہ صاحب یوں گویا ہوئے:

صوبہ پنجاب کو خوبصورت اجتماع پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس زمانے میں 2۔ آدمی بھی اکٹھے کرنا محبتوں کا امتحان ہے یہ اجتماع ان کی اعلیٰ قیادت کی دلیل ہے۔ آج ہم داتا صاحب کے روضے کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ داتا صاحب نے صدیق ؓ سے پیار کا اظہار ایک روایت سے کیا ہے۔ رحمت عالم کے مزاج شناس اور حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت صدیق ؓ نے فرمایا لوگو! دنیا فانی ہے، احوال عارضی ہیں، سانسیں گنی چنی ہیں لیکن ہم میں سستی موجود ہے۔ آج ہمیں اس قول کی روشنی میں اپنے احوال کا جائزہ لینا چاہئے۔ پرسوں جلسہ میں شرکت کے لئے جانے لگا تو چڑھائی تھی ایک آدمی نے کہا شاہ صاحب! اس دنیا میں ایک دفعہ آئے ہیں ہمت سے چلو۔ دوبارہ زندگی نہیں ملے گی۔

ارشاد گرامی کی روشنی میں احتساب کرو کہ دین کے لئے کیا کر رہے ہیں۔

کبھی شام کے وقت سورج دیکھو تو چھوٹا نظر آتا ہے، حالانکہ چھوٹا نہیں ہوتا دراصل آپ دور ہیں، بڑے آدمی کو چھوٹا وہی سمجھتا ہے جو دور ہو یا پر غرور ہو۔

صدیق کو چھوٹا سمجھنے والا خود چھوٹا ہے، عزت والا چھوٹا نہیں ہو سکتا۔ عمر ابوبکر کی نیکیوں سے ایک نیکی ہے۔ جناب صدیق اکبر ؓ نے لشکر اسامہ کے لئے مشاورت کی تو عمر ؓ سے پوچھا کہ بھیجوں یا نہ بھیجوں تو عمر ؓ نے کہا ابوبکر! وقت نہیں، آپ ؓ نے فرمایا جہالت کے زمانے میں تو بہت مضبوط تھا تو عمر ؓ نے کہا 16 سال کے اسامہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر عمر ؓ راہ جہاد کو نکلے گا۔ حضور ﷺ کے وصال کے وقت جب تمام صحابہ کے اوسان خطا ہو چکے تھے جناب صدیق نے فرمایا:

وما محمد الا رسول

یعنی حضور ﷺ ادھر ہیں تو بھی رسول ہیں اور روضہ میں ہوں تو بھی رسول ہیں۔

انداز حکمرانی کیا تھی؟ کوئی بادشاہ دیکھا ہے جو شہریوں کی بکریوں کا دودھ دھو دیا کرے۔ ابوبکر ؓ اور عمر ؓ سوائے انبیاء کے پہلوں اور پچھلوں میں سب سے افضل ہیں۔

شاہ جی کے خطاب کے بعد جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی امیر حضرت علامہ پیر سید مظہر سعید کاظمی صدارتی خطاب کے لئے تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو صدیق اکبر ؓ کی محفل سجاتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی محفل ہے۔ سیدنا صدیق اکبر ؓ صحیح معنوں میں پروانۂ رسالت تھے بلکہ گھر کے ہر فرد کو پروانہ بنا دیا تھا۔ غزوہ تبوک میں سارا سامان لے آئے تھے، لیکن یہ ایک مرتبہ نہیں

بارھا ایسا ہوا۔ جب ابوقحافہ نے صدیق اکبر ﷺ کے بچوں سے کہا کہ ابوبکر سارا سامان لے گیا ہے اور تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑا تو بیٹی نے پتھروں پر چادر ڈال کر کہا کہ دیکھیں یہ سامان ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے ابھی اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا کہ ابوبکر صدیق ﷺ یمن میں تجارت کے لئے گئے، ایک شخص نے غور سے دیکھا اور پوچھا کہ کیا آپ اہل حرم سے ہیں؟ فرمایا: ہاں، پوچھا قبیلہ بنی تیم سے ہیں؟ فرمایا: ہاں، کہنے لگا کہ اپنا پیٹ دکھاؤ آپ نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ عالم ہوں، آخری نبی کی نشانیاں معلوم ہیں، دو شخص ایسے ہیں جس سے سارے عالم کو فائدہ ہوگا ایک پکی عمر کا اور ایک جوان ہوگا اور اس کے پیٹ پر ناف کے اوپر کالا تل ہوگا۔ ابوبکر نے قمیض اٹھائی تو کالا تل موجود تھا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ مبارکباد دیتا ہوں کہ نبی ﷺ کے صدقے جو شان تمہیں ملے گی کسی کو نہیں ملے گی، اس کے بعد اس شخص نے نعت پڑھی۔ ادھر حضور نے اعلان نبوت فرمادیا۔ مکہ کے کافروں نے کہا کہ ابوبکر کا انتظار کرو جو کہے گا عمل کریں گے، ابوبکر پہنچے رات کو کفار آگئے اور حضور ﷺ کے اعلان نبوت کا بتایا صبح حضور کے پاس گئے، بچپن کے ساتھی تھے، اعلان نبوت کے بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ایک ہے دلیل پوچھی تو فرمایا یمن کا شیخ دلیل ہے، جس نے نعت پڑھی تھی تو آپ نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

امیر اہل سنت کے خطاب کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا اور امیر محترم کی دعا کے ساتھ ہی یہ نورانی تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

☆☆☆

- تعلیماتِ اسلامیہ سے اپنی زیست میں فہم و دانش کی بہار لانے کیلئے
- زندگی کو عشق رسالت مآب ﷺ کے نور سے منور کرنے کیلئے
- باطنی صفائی کے حصول اور تقویٰ و پرہیزگاری کی نعمتوں سے سرفراز ہونے کیلئے
- اخلاقی رزائل اور روحانی بیماریاں دور کرنے کیلئے

{ شاہ جی کی تحریروں کے ساتھ ساتھ آپ کا سلسلۂ گفتگو }

سلسلہ وار دروسِ قرآن	سلسلہ وار دروسِ حدیث
اُجالے قرآن کے	**اُجالے حدیث کے**

"محراب"

سماعت فرمایئے

- اخلاص کی برکات
- تدبر: اہمیت و فضیلت
- حج
- بلند نظری اور ایثار
- عبادت کے احکام اور آداب
- قوی مومن اور اس کی زندگی کا حسن
- خوف اور احساس ندامت
- پرسکون عائلی زندگی کی بنیادیں
- ذکر کی فضیلت اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
- حصول برکت کے ذرائع
- استغفار کی برکات
- لاپرواہیوں کا تدارک
- پیغامِ حسین کانفرنس
- دلوں کی تالیف
- معاملات میں حسن
- جلد بازی کے نقصانات
- قرآن اور اہل بیت
- باوقار زندگی کا تصوف
- مدارات اور دل نوازی
- فکرِ آخرت
- دینی تربیت کی ٹھوس بنیادیں
- اسبابِ جرائم اور نجات کی راہ
- لفظ برکت کے اطلاقات
- عملی روحانی زندگی سیرت طیبہ کی روشنی میں
- عید میلاد النبی ﷺ
- تقریب آغاز دورہ حدیث-ایک اہم خطاب

سی ڈیز اور کتب حاصل کرنے کیلئے رابطہ:

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ خیابانِ سرسید سیکٹر III راولپنڈی 0300-5141965

اتفاق اسلامک سنٹر H بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور 042-35838038

www.daleelerah.info Email: aims58@gmail.com

عطیہ اشتہار: ڈاکٹر محمد آصف ساہیوال

بنیادی عقیدہ

اللہ ہمارا رب ہے-----اور بے عیب ہے۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں-----اور بے عیب ہیں۔
قرآن ہمارا دستور ہے-----اور بے عیب ہے۔

منجانب: **پروفیسر ڈاکٹر محمد اطہر** گلشن راوی لاہور

ایک بات ہم سب کو اچھی طرح سوچ لینی چاہیئے کہ نگاہِ رسول نے جو حرکی، انقلابی اور روحانی افراد تیار کیے تھے بنیادی طور پر ان میں چار خوبیاں پیدا کی تھیں۔ علامہ اقبال نے بھی قدسیوں کے اس قافلے کی خوشبو سونگھ کر مرقعہ کشی کی تھی کہ وہ نرم دمِ گفتگو تھے، گرم دم جستجو تھے، رزم ہو یا بزم ہو وہ لوگ پاک دل اور پاکباز تھے۔ ان کے سینوں میں دل پتھروں کی سلیں نہیں تھیں رحمت و رافت کے چشمے تھے، دینی اور روحانی انقلاب کے یہی صاف ستھرے دھارے تھے جو عرب دنیا سے باہر نکلے تو مسلمانوں کی یہ خوبیاں لوگوں کی روحوں میں تلاطم پیدا کرنے لگیں اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ غریب نواز نے گولیاں نہیں چلائی تھیں، پیر پیراں دستگیر نے شمشیر زنیوں سے لوگوں کے اخلاق و کردار میں ارادت اور ایمان کا چراغاں نہیں کیا تھا۔ سید علی ہمدانی نے نیزے پھینک کر چالیس ہزار پنڈتوں کی تقدیر تبدیل نہیں کی تھی۔ داعیِ حق کے سینے پر نازل ہونے والے قرآن نے تو رویوں کو شستگی دی تھی۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

ڈاکٹر محمد سلیم
ایمرجنسی سنٹر، جندیالہ روڈ شیخوپورہ
فون: 0300-4424419, 0333-4008003